

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ  
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

[التوبة: ۹/۱۰۰]

”اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اول ہجرت کی اور پہلے  
اسلام لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی  
ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (خدا اُن سے خوش وہ خدا سے خوش) اور اللہ  
تعالیٰ نے اُن کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہہ  
رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔“

## ادخلوا فی السِّلْمِ کَافَّةً

میں نے کہا کہ صرف بیچ کی ضرورت ہے، اور کسی شے کی نہیں اور ہمیشہ یہی کہتا رہوں گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ بیچ کیا ہے؟ کیا ایک انجمن، جس کی بہت سی شاخیں ہوں؟ ایک فنڈ، جس میں بے شمار روپیہ ہو؟ ایک دفتر، جس میں کسی خاص قول و قرار پر بہت سے دستخط ہوں؟ کوئی شان دار اسکیم، جس کی بے شمار دفعات ہوں؟ کوئی عہدہ داروں اور ممبروں کا مجمع، جن کے لیے بہت سے القاب و خطابات ہوں؟ کوئی بڑے بڑے شان دار کاموں اور دنیا بھر کی ضرورتوں کو اپنے میں جمع کر دینے والا ادعا، جس میں از سر تا پا صدا وعدے ہوں؟ نہیں، کیوں کہ یہ تمام چیزیں تو اُس سے منٹوں اور لمحوں میں مہیا ہو جاسکتی ہیں، پر وہ ان سے پیدا نہیں ہو سکتی۔

### پھر وہ کون سی شے ہے؟؟

پس میں کہتا ہوں، اور از فرق تا بقدم ایک صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں۔ جب کہ یقین کی وہ لازوال طاقت میرے ساتھ ہے، جس کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جب کہ وہ بصیرت الہی میرے دل کے اندر موجود ہے، جس میں کبھی تدل و تذبذب نہیں۔ اور جب کہ وہ شہادتِ ایقانی میرے سامنے ہے، جس کی رویت میں کبھی دھوکا اور فریب نہیں۔ کہ زندگیوں اور کامیابیوں کا وہ ختم مقدس، کوئی انجمن، کوئی اسکیم، کوئی بے شمار خزانہ، کوئی عہد حفاظت، کوئی اقرار خدمت، غرض کہ دنیا کی کوئی آواز اور انسانوں کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی، مگر صرف وہ ایک ہی تحریک حق و صداقت، جو مسلمانوں کو ان کی حیاتِ انفرادی و ملی کی ہر شاخ میں ”مسلمان“ بننے کی دعوت دے، اور اپنی اس آواز کو ان کے تمام صغار و کبار، رجال و اناث، اعلیٰ و ادانی، شہری و دیہاتی، عوام و خواص، غرض کہ ہر فردِ ملت کے دل و جگر میں اتار دے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾

”اے وہ لوگو کہ ایمان اور اسلام کے مدعی ہو! صرف دعوا کافی نہیں، اگر زندگی چاہتے ہو تو اسلام میں پورے پورے آ جاؤ، اور

شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ انسانی ہدایت اور ارتقاء و عروج کا ایک بالکل کھلا دشمن ہے۔“ [البقرة: ۱۳۶/۲]

اور اس طرح اتار دے کہ خدا کے بندے پھر صرف اُسی کے ہو جائیں۔ اس کے رشتے سے ٹوٹے ہوئے پھر اسی کے ساتھ جڑ جائیں، اس کے دروازے سے بھاگے ہوئے پھر اسی کی غلامی کی زنجیریں پہن لیں۔ اس کے چاہنے والے پھر ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کو پیار کرنے لگیں۔ اس کے پکارنے والے پھر اُسی کی جتو میں نکل جائیں، اس سے غفلت کرنے والے پھر اُسی روٹھے ہوئے کو منالیں۔ اور اُس ایک کی غلامی کا حلقہ پہن کر تمام دنیا کو اپنا غلام بنانے والے، پھر اسی کی چوکھٹ پر جھک جائیں۔ تاکہ اس کے آگے جھک کر سب کے آگے سر بلند ہوں، اور اس کے آگے جبین نیاز جھکا کے سب کو اپنے آگے مسجود دیکھیں۔ یعنی ہجر کے بعد پھر وصال کی بزمِ آرائی ہو۔ محرومی کے بعد پھر کامرانی کے راز و نیاز ہوں، اور نامرادی کے بعد پھر دولت مقصود و مطلوب سے دامن و آستین امید مالا مال ہو جائے۔

[الہلال، جلد: ۳، ص: ۱۶، ۱۷]

# فہرست

1		جواہر پارے ❁
2	(مولانا ابوالکلام آزاد)	کلمہ طیبہ ❁
5	(حافظ احمد شاکر)	اداریہ ❁
7	(حافظ عبدالوحید)	درس قرآن ❁
12	(ماخوذ از: مولانا عبدالسلام)	اخذ واقتباس ❁
17	(مولانا عمر فاروق السعیدی)	تعلیم وتعلّم ❁
23	(مولانا محمد ارشد کمال)	مضامین ومقالات ❁
28	(عبدالرشید عراقی)	یاد رفتگان ❁
33		فہرست ❁

ادخلوا فی السلم کآفة

الاعتصام کا 61 واں سال

سورة الفاتحة..... (۱)

آدابِ فتاویٰ..... (۱)

مسجد کے مقام کی بحالی

اسلامی مہینے اور ان کا تعارف..... (۱)

ایک مثالی شخصیت

فہرست کتب

## رزق حلال اور اس کا استعمال

﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحِلَّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ﴾ [طہ: ۲۰/۸۱]

”کھاؤ پاک چیزیں جو دیں ہم نے تمہیں اور اس میں سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہو پڑے گا، اور جس پر میرا غصہ اترتا تو وہ برباد ہی ہو گیا۔“

من  
الكتاب

## مسلمان کے لیے قناعت میں فلاح

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قد أفلح من أسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما آتاه» [مسلم: ۱۲۵۰/۱۰۵۴]

”وہ شخص کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہو جائے اور پورا پورا رزق دیا جائے اور جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر قناعت کرے۔“

من  
الحكمة

## پریشانی اور تکلیف کے موقع کی دعا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تنگ اور سخت حالات میں یہ دعا پڑھتے تھے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ، الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ

الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ» [بخاری: ۶۳۴۶]

”نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ عظمت والے بر دبار کے، نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ عرش کے مالک عظمت والے کے، نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے، جو آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور عزت والے عرش کا رب ہے۔“

# الاعتصام کا 61 واں سال

حافظ احمد شاہ

اداریہ

الحمد للہ ”الاعتصام“ اپنی عمر کے ساٹھ سال پورے کر کے کسٹھویں سال میں داخل ہو گیا ہے، جس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس توفیق بے پایاں پر ہم بارگاہِ رب العالمین میں سجدہ ریز ہیں کہ اس کا کرم، بانی کا اخلاص، شروع سے اب تک کے رفقاء کی جدوجہد، احباب و قارئین کی توجہ اور محبت اس کی باقاعدگی کے بنیادی اسباب ہیں۔ اس کے خدمت گزار..... رفقاءے کار..... کوشش کرتے ہیں کہ حتی الامکان اس کا معنوی حسن قائم رکھا جائے، یعنی مسائل میں مثبت انداز، اختلافی مسائل میں سنجیدگی، دلیل اور متانت باقی رہے۔ مضامین کے تنوع کے ساتھ ساتھ اس کی صورتی یعنی ظاہری حسن کو بھی بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش جاری رہتی ہے۔ تاہم بحیثیت بشر پھر بھی اگر کوئی کوتاہی باقی رہ جائے تو ہمارے قارئین ہمیں مطلع بھی کرتے ہیں اور اہل علم راہ نمائی بھی فرماتے ہیں۔

”الاعتصام“ کے ابتدائی چند ماہ انجمن اہل حدیث گجرات والوں نے اس کی سرپرستی فرمائی، پھر مرکزی جمعیت اہل حدیث نے اس کو اپنا ترجمان بنا لیا اور مرکزی جمعیت ہی اس کی کفالت کرتی رہی۔ ۱۹۶۹ء میں اس کی ذمہ داری پھر اس کے بانی (رحمۃ اللہ علیہ) پر آ پڑی۔ ۱۹۸۰ء میں جب دارالدعوة السلفیہ کی تشکیل ہوئی تب سے اسی کی سرپرستی میں طبع ہو رہا ہے۔ کچھ عرصے سے مکہ طیبہ، ایک آیت، ایک حدیث اور ایک دعا کے عنوانات مستقل جاری ہیں جو ہلکی پھلکی تحریریں ہوتی ہیں مگر اپنے دعوتی اہداف رکھتی ہیں اور اثر انداز ہوتی ہیں جس کی اکثر قارئین سے اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔ اسی طرح ”محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری“ کی فہرست بھی اس میں باقاعدگی سے طبع کی جا رہی ہے جو ایک علمی خدمت ہے۔ عربی حصہ مکمل ہونے کے بعد اب اردو کتب کی فہرست چھپ رہی ہے۔

نئے سال سے ہم اس میں درس قرآن کا آغاز بایں انداز کر رہے ہیں کہ قرآن حکیم کا ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اور حواشی ماضی قریب کے دواہل حدیث مفسرین سید احمد حسن دہلوی اور مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی کے ہیں جو اپنے اپنے جداگانہ انداز اور انفرادیت لیے ہوئے ہیں، انھیں یکجا کر کے نیچے حوض میں شائع کیا جائے گا۔ نیز کوشش کریں گے کہ مفردات کی لغوی تشریح بھی ساتھ کر دی جائے۔ امید ہے کہ نئی تفسیروں کی بھرمار کے اس دور میں قارئین کے لیے یہ کوشش ان شاء اللہ زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

سال گزشتہ میں دارالدعوة السلفیہ کی طرف سے ”خودنوشت نواب صدیق حسن“ نئے قالب میں شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح فتوہ دایانیت کے رد میں علمائے اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل قاری نعیم الحق نعیم رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل مضمون خصوصی اشاعت کے طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جلد ہی ان شاء اللہ الاعتصام کا ”حجیت حدیث نمبر“ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ادارے کی معروف و مقبول کتاب مستنقی الاخبار بھی جدید قالب میں تیار ہو کر عنقریب منظر عام پر آ رہی ہے، ان شاء اللہ۔ اشاعت کتب میں ہمارے محترم و مکرم صدر ادارہ مولانا ابوبکر صدیق السلفی رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ، راہ نمائی اور تعاون ہمیشہ شامل حال رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور سجدہ تشکر بجالانے کے ساتھ ساتھ ہم ادارے کے معاونین، اراکین مجلس عاملہ اور کارکنان الاعتصام و دارالدعوة السلفیہ کے جذبہ خدمت دین کی تحسین کرتے اور انھیں سلام پیش کرتے ہیں، نیز دین و دنیا میں ان کے اعمال کی قبولیت اور اجر کے لیے دعا گو ہیں۔

”ادا“ یا ”احتیاط“؟

لفظ ”جہد“ کا معنی کوشش ہے جب کہ لفظ ”جہاد“ میں مبالغہ پایا جاتا ہے جس کا معنی ہے انتہائی کوشش۔ دنیا کا بنیادی اصول ہے کہ ہر انسان، ہر قوم، ہر قبیلہ اور ہر ملت اپنے بچاؤ اور حفاظت کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہے اور کرتا چلا آیا ہے، اپنے اس تحفظ اور دفاع کو بہادری اور شجاعت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جب کہ شجاعت

و بہادری عام انسانی اخلاق و فضائل میں سے ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اپنی ذات، جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے علاوہ ملت، دین اور قوم کی حفاظت کی بھی ہدایت و تاکید فرمائی ہے، نیز آخرت کا یعنی جزا و سزا کا یقین بھی ایمان کا بنیادی جز ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو بتایا مسلمان جب اپنے دین کے یہ بنیادی تقاضے پورے کرے گا یعنی اپنی ذات سے آگے بڑھ کر ملت اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کا اجر ضرور عطا فرمائے گا اور اسی کو یعنی شجاعت و بہادری کے اسی جذبے کو جہاد فی سبیل اللہ..... یعنی اللہ کے راستے میں بھرپور کوشش..... کا نام دے دیا۔ چنانچہ بڑی خوش بختری اور اطمینان کی بات ہے کہ عساکر پاکستان کا شعار..... ماٹو..... ہی ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس لیے ہماری افواج جہاد فی سبیل اللہ سے نہ کبھی غافل ہوئیں اور نہ اس پر انھوں نے کبھی مصالحت ہی کی ہے۔ افواج پاکستان کا یہی جذبہ ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے کفر کے دلوں میں ان کی ہیبت اور رعب ڈال رکھا ہے۔

اللہ نہ کرے کہ برصغیر..... پاک بھارت..... تیسری عالمی جنگ کا میدان بنے کہ جنگ کسی مسئلہ کا حل کبھی نہیں ہوتا۔ بات افہام و تفہیم سے حل ہوتی ہے اور معاملات سمجھنے سمجھانے ہی سے طے ہوں تو بہتر ہوتا ہے۔ تاہم مینے کی بھڑکیں تو اگر چہ نرم اور ”پولی“ پڑ چکی ہیں لیکن عالمی شریں پند گاہے گاہے موبہم خطرات کو ہوا دینے سے باز نہیں آ رہا۔ بعض مرتبہ معلوم یہ بھی ہوتا ہے کہ جنگ کے اس ڈھنڈورے کا مقصد کانگریس کی انتخابات میں کامیابی اور ہمارے حکمرانوں کا طول اقتدار بھی ہو سکتا ہے تاہم جو کچھ بھی تھا یا ہے لالہ جی کی دھوتی ڈھیلی ہونی شروع ہو چکی ہے کہ اب دھمکی یا ڈیڈ لائن سے کھرجی مکر رہے ہیں۔ باقی رہے مسلمان تو ان کے متعلق اقبال مزاج مومن کی ترجمانی کر گئے ہیں کہ

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

تاہم اس موقع پر پاکستان کے نہ صرف حکمران بلکہ سیاسی لیڈروں کے ڈھیروں جذباتی، جوشیلے، دھواں دار بلکہ شعلہ بار بیانات کے باوجود ان کا امریکہ سے خوف اور سراسیمگی چھپائے..... یا شاید یہ کوشش ہی نہیں کی گئی..... نہیں چھپ سکی کہ یہ ”ساری مخلوق“ وطن کی حفاظت، وطن پر آئینے نہ آنے دینے، دشمن کو مار بھگانے، دشمن کے دانت کھٹے کرنے، اس کو چھٹی کا دودھ یا دودلائے، دشمن کی وطن پر اٹھنے والی آنکھ پھوڑ دینے اور وطن کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے بے حد و حساب نعرے سامنے آئے ہیں۔ لیکن نہیں آیا تو اعلیٰ کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی توحید کا جھنڈا بلند کرنے کا بیان نہیں آیا، جہاد فی سبیل اللہ کا بیان نہیں آیا، کفر و اسلام کے معرکے کا بیان نہیں آیا۔ اگر خاطر غرنوی کی زبان میں صرف یہ کہا جائے ع بس اتنی سے بات سے لوگ پہنچانے گئے، تو شاید غلط نہ ہو۔

یہ وقت تھا کہ حکومت، سیاسی رہنما، علماء و خطباء اور بھاری مشاہیروں پر پلنے والے خدام..... یعنی صوبائی و قومی اسمبلیوں اور سینٹ کے ممبران..... قوم کو بیدار کرتے، اس کے جذبہ جہاد کو انگیزت دیتے، ایثار و قربانی کی مثالیں بن کر قوم کے اس خوابیدہ جذبے کو ہمیز لگاتے۔ لیکن کیا مجال کسی کی زبان سے کبھی چار حرفوں کا مرکب جہاد نکلا ہو۔ سب نے وطن کی سرحدوں کے تحفظ کی قسمیں ضرور اٹھائی ہیں لیکن نظر یہ پاکستان کی..... مہینہ..... اساس اسلام کا نہ نام لیا نہ اس کے دفاع کا ذکر کیا نہ اس کے غلبے کا ذکر کیا۔ سوال اٹھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی اس ”ادا“ سے ان کا اندر باہر آ گیا ہے، ان کے اس رویے کو امریکا سے ان کے خوف کا مظہر کیوں نہ کہا جائے؟ ان کے اس ”احتیاط“ کو بزدلی کہنے سے بھی کوئی چیز مانع نہیں..... دینی جذبے سے خالی..... ان کے ان بیانات کے پیچھے کیا اقتدار یا مفادات اقتدار نہیں؟ کہاں گیا اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ؟ نیتوں کا حال تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے اور رائے کے اختلاف کا بھی ہر کسی کو حق ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ..... اسباب جو کچھ بھی ہوں جو مسبب ہی بناتا ہے..... افغان جہاد کے ذریعے شکست روس کا بنیادی نکتہ یہی تھا کہ اس میں عملاً حصہ لینے والے افراد..... حکومتیں نہیں..... کی نیت خالصتاً جہاد فی سبیل اللہ تھی یعنی مسلمانوں کی سرزمین میں جبراً داخل ہونے والے کافر کو..... اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر..... اس سے نکال باہر کرنے کا جذبہ تھا۔ دنیا میں جہاں جہاں اس جذبے سے میدان لگے وہاں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اور اپنے نبی ﷺ کی امت کی لاج رکھی۔ بعض مسلمان اور اسلامی سلطنتوں کے تقریباً سبھی حکمران تو شاید اس جذبے کی سچائی اور گیرائی پر اس درجہ یقین و ایمان نہیں رکھتے حالانکہ یہ بالکل برحق ہے، لیکن دنیا کے کفر اس جذبے سے خوف زدہ ہے اور اسی جذبے کی حدت نے دنیا کے کفر کی نیند اور چین حرام کر رکھا ہے۔

# سورة الفاتحه ۱

..... اردو ترجمہ .....

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م: ۱۲۳۰ھ)

..... حواشی .....

①..... موضح القرآن (حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ)

②..... احادیث التفاسیر (حضرت مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ - م: ۱۲۳۰ھ)

③..... احسن الفوائد (مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ - م: ۱۳۳۸ھ)

شرح المفردات: حافظ عبدالوحید

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ: مَكِّيَّةٌ: وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نعت دینے والا ہے۔“

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝	”سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ بہت مہربان
مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝	نہایت رحم والا۔ مالک انصاف کے دن کا (۲) تجھی کو ہم بندگی کریں
اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ	اور تجھی سے مدد چاہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی۔ (۳) راہ اُن کی جن پر تو
عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۝	نے فضل کیا (۴) نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے۔“ (۵)

①..... الْحَمْدُ: الحمد کا الف لام (اَلْ) استغراق کے لیے ہے یعنی حمد کی تمام اقسام اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، غیر اللہ کے لیے نہیں ہیں۔

”حمد“ مصدر۔ تعریف و ستائش اس صورت میں جب کہ ممدوح مختار اور فعل جمیل و خیر ہو۔ یعنی کسی فضیلت و خوبی پر اظہار تحسین۔ علامہ راغب کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ”مدح“ کی نسبت خاص ہے اور ”شکر“ کے مقابلے میں عام ہے۔ کیوں کہ مدح کا اطلاق تو ہر خوبی پر ہو سکتا ہے چاہے وہ اختیاری ہو چاہے غیر اختیاری۔ لیکن حمد کا اطلاق صرف خوبی اور فضیلت کی اس نوعیت پر ہوتا ہے جس کا صدور اختیار کی بنا پر ہو، جبر و تسخیر کی بنا پر نہ ہو۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں: اَمْدَحُ فُلَانًا بِصَبَاحَةٍ وَجْهِہ کہ میں فلاں شخص کے چہرے کی خوب صورتی اور نکھار کی وجہ سے تعریف یا مدح کرتا ہوں۔ اس موقع پر اَحْمَدُ کا اطلاق جائز نہیں، کیوں کہ کسی شخص کے چہرے کا نکھار اور خوب صورتی اس کے اختیار میں نہیں۔

②..... رَبِّ: الرب (ر۔ن) تربیت کرنا۔ یعنی کسی چیز کو تدبیراً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا..... رَبِّ کا لفظ اصل میں مصدر ہے اور استعارۃً بمعنی فاعل استعمال ہوا ہے، اور مطلق (یعنی اضافت اور لام تعریف سے خالی) ہونے کی صورت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو جملہ موجودات کے مصالح کا کفیل ہے، اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

⑤..... الْعَلَمِينَ: عالم کی جمع، اسم آلہ (خلاف قیاس) کیوں کہ اس کے ذریعے خدا کا علم حاصل ہوتا ہے۔ دنیا، جہان، کائنات، ہر شے، ہر جگہ، ہر چیز۔

⑥..... الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: رحمتہ (مصدر) سے مشتق ہیں، اور رحمتہ سے مراد وہ رقت قلب جو کسی پر احسان کا تقاضا کرے۔ پس رحمت میں رقت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ رقت تو اللہ تعالیٰ نے طبائع مخلوق میں ودیعت کر دی ہے اور احسان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ یہ دونوں (اسم) فَعْلَانِ وَفَعِيلِ کے وزن پر مبالغے کے صیغے ہیں..... پھر رحمان کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس نے اپنی رحمت کی وسعت میں ہر چیز کو سمال لیا ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے، اور رحیم بھی اسمائے حسنیٰ سے ہے اور اس کے معنی بہت زیادہ رحم کرنے والے کے ہیں..... اس کا استعمال ماسوی اللہ کے بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات رَحِمٌ (عورت کا رحم) سے مشتق ہیں، یعنی مادرانہ شفقت کی انتہائی تزیینی صورت، مہر و محبت کا پاکیزہ ترین پیکر۔

⑦..... الدِّينِ: کے معنی طاعت اور جزا (بدلے) کے آتے ہیں۔

⑧..... اِهْدِ: هِدَايَةً (مصدر) سے فعل امر حاضر ہے یعنی ہدایت دے، رستہ دکھا، رستے پر چلا۔ ہدایت کے اصل معنی لطف و کرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا اور دھیرے دھیرے پیار سے منزل مقصود تک پہنچانا کے ہیں۔

⑨..... الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ: صراط سیدھی راہ کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن القیم الجوزیہ (م: ۵۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ کسی بھی رستے کو صراط اُس وقت کہتے ہیں جب کہ اُس میں پانچ خوبیاں ہوں: ① بالکل سیدھا ہو۔ ② منزل تک جا پہنچتا ہو۔ ③ تمام گزرنے والوں کے لیے کشادہ ہو۔ ④ مختصر اور منزل سے قریب ترین ہو۔ ⑤ اور یہ کہ بس وہی منزل مقصود تک لے جانے والا ہو۔

سب سورتوں کے نام اور سب سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے بتلانے سے ہے یعنی کسی کی رائے اور قیاس سے نہیں ہے۔

[شرح المفردات کے لیے ① التفسیر القیم (حافظ ابن قیم الجوزیہ) ② مفردات القرآن (امام راغب اصفہانی) ③ تذکیر الکل..... (حضرت نواب سید صدیق حسن خان) ④ سراج البیان ولسان القرآن (حضرت علامہ مولانا محمد حنیف ندوی) پیش نظر ہیں۔ (ع۔ و)]

### سورة کے چند نام:

اس سورہ کو فاتحہ اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن شریف اسی سے شروع ہوتا ہے اور نماز کی قراءۃ بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔

اس کا نام سورۃ شفا بھی ہے۔ دارمی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورہ فاتحہ ہر ہر شے سے شفا ہے۔“

اس کا نام سورۃ الكنز بھی ہے کیوں کہ یہ ان خزانوں میں سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہیں۔

اس کا نام سورۃ المناجاة بھی ہے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں اس کو شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک آیت کا جواب فرماتا ہے یعنی اس کی عرض کو سنتا ہے اور انعام و عطا کا وعدہ فرماتا چلا جاتا ہے۔

اس کا نام سورۃ الرقیۃ بھی ہے کیوں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک بیمار پر تین دن صبح شام اس کا دم کیا تو وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

اس کا نام سورۃ الاساس بھی ہے کیوں کہ یہ رکن ہے نماز کا اور نماز رکن ہے دین کا تو گویا کل بنا اور رکن یہ ہوئی۔

اس کا نام سورۃ الصلوۃ بھی ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدی کی نہ مفرد کی۔



اس کا نام سورۃ النور بھی ہے اس واسطے کہ نور ذات و صفات اور عبادت و ہدایت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی نام ہیں۔  
[تفسیر رحمانی مصری ص: ۱۰، ۱۱، ۱۲]  
اس سورۃ مبارک کے کچھ فضائل اور مسائل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت ﴿اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ کے بیان میں لکھے جائیں گے۔

## تفسیر:

(۱).....قرآن مجید کی جب تلاوت شروع کرے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [النحل: ۹۸/۱۶]

یعنی ”جب تو قرآن پڑھے تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم کے شر سے۔“

بسم اللہ کے بارے میں تفسیر ترجمان القرآن میں ہے کہ ”سارے علماء کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ سورۃ نمل کی ایک آیت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے فرق نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ بسم اللہ اترتی۔“ یعنی جب بسم اللہ اترتی تب آپ جانتے کہ اب دوسری سورہ شروع ہوئی (اس کو ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ ہر سورۃ قرآن کی ایک مستقل آیت ہے۔ پس چاہیے کہ جب قرآن شریف کی کوئی سورۃ نماز میں یا تلاوت میں پڑھے تو بالضرور پہلے بسم اللہ پڑھے، اور جس نماز میں قراءۃ جہر کے ساتھ یعنی آواز سے پڑھی جاتی ہے اس میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے اور آہستہ پڑھنا بھی آیا ہے دونوں باتیں سنت ہیں۔

[نبیل، ص: ۹۰، ج: ۲]

یعنی نماز میں جب قراءۃ کی جاتی ہے تب الحمد کے شروع پر اور سورۃ کے شروع پر اگر بسم اللہ کو بھی بہ آواز پڑھے تو بھی سنت ہے کیوں کہ دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کے زور سے پڑھنے کی روایتوں کے مقابل آہستہ پڑھنے کی روایتیں زیادہ ہیں تو اولیٰ یہ ہوگا کہ اکثر آہستہ پڑھا کرے اور کبھی کبھی زور سے پڑھا کرے۔ البتہ اس نظر سے کہ لوگ اس مسئلے کو چھوڑ بیٹھے ہیں یعنی بسم اللہ کا نماز میں زور سے پڑھنا چھوٹ گیا ہے اگر اکثر آواز ہی سے پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ زیادہ ثواب کی امید ہے کیوں کہ اس صورت میں مردہ سنت کا زندہ کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲): انصاف کے دن کے مالک ہونے سے یہ مطلب نہیں کہ اوردنوں کا وہ مالک نہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں مجازی طور پر اور لوگ بھی حاکم اور بادشاہ کہلاتے تھے اور حکم چلاتے تھے اُس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا اور کوئی بادشاہ اور حاکم نہیں کہلائے گا، اور اُس دن اللہ تعالیٰ فرمانے گا:

﴿لَمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ﴾ یعنی ”آج کس کا راج ہے؟ آج کہاں ہیں بادشاہ، کہاں ہے جبر اور تکبر کرنے والے؟“

(۳): ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صراط مستقیم سے مراد قرآن وحدیث کی پیروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ترمذی [ص: ۱۲۸، ج: ۲] اور صحیح مسلم [ص: ۲۷۹ و ۲۸۰، ج: ۲] وغیرہ کی روایتوں سے بھی صراحت یہ بات ثابت ہے کہ صراط مستقیم سے مراد قرآن وحدیث کی پیروی ہے۔

(۴): ”جن پر تو نے فضل کیا۔“ ان سے چار فرقے مراد ہیں: نبیین اور صدیقین وشہداء و صالحین۔ [احادیث التفسیر]

(۵): ”جن پر غصہ ہوا“ اُن سے یہود اور ”گمراہوں“ سے انصار مراد ہیں۔ یہ سورت اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ اس

طرح کہا کریں۔ [موضح القرآن]

عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» [متفق

عليه، بخاری، رقم: ۷۵۶- مسلم، رقم: ۳۹۴]

”یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ الکتاب نہ پڑھے، یعنی الحمد کو۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور متفق علیہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہوا اور حدیث صحیح کے سات درجے ہیں

سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہو۔ [نخبۃ الفکر مطبوعہ نظامی ص: ۱۵، ۱۶]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی ہے کہ اس سے بڑھ کر صحیح کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ سواس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ بعض اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کامل نہیں ہوتی یعنی جائز تو ہے پر کامل ثواب نہیں ہوتا اس لیے کہ ترمذی وغیرہ کی بعض روایتوں میں یہ لفظ آئے ہیں «فہی خداج» یعنی وہ نماز ناقص ہے جس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے پر اُس میں نقصان رہتا ہے۔ لیکن یہ مطلب بنتا نہیں اس لیے کہ خداج کے معنی اگرچہ ناقص کے بھی لکھے ہیں لیکن اصل معنی اس کے نقصان کے ہیں کیوں کہ یہ لفظ مصدر ہے۔ چنانچہ مجمع البحار، صراح، ہنتی الارب میں نقصان ہی کے معنی لکھے ہیں اور مجمع البحار میں کہا ہے کہ اس حدیث میں خداج مصدر کا لفظ مبالغہ یعنی شدت نقصان کی غرض سے بولا گیا ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نماز ایسی نقصان والی ہے کہ گویا جسم نقصان ہی نقصان ہے کچھ بھی کارآمد نہیں۔ اس نماز کا پڑھنا نہ پڑھنے کے برابر ہے جس طرح ادھورا بچہ جو حمل سے ساقط ہو جاتا ہے اُس کا پیدا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیوں کہ بچے کے پیدا ہونے سے جو مقصود ہوتا ہے وہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اس کی تائید خود حدیث کے لفظ میں موجود ہے، ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہیں:

«لَا تُجْزِي صَلَوةٌ لَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» [دار قطنی مطبوعہ انصاری، ص: ۱۲۲]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ”وہ نماز جائز نہیں ہوتی جس میں آدمی سورۃ الحمد نہ پڑھے۔“

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہے:

«لَا تُقْبَلُ صَلَوةٌ لَا يَقْرَأُ فِيهَا فَاتِحَةَ الْكِتَابِ» [فتح الباری انصاری بارہ سوم، ص: ۴۱۵]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ”وہ نماز قبول نہیں ہوتی جس میں سورۃ الحمد نہ پڑھی جائے۔“

ایک روایت میں مرفوعاً یہ لفظ ہے: «كُلُّ صَلَوةٍ لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِإِمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ مُخَدِّجَةٌ» [جزء القراءة فاروقی دہلی، ص: ۴]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ”جس نماز میں الحمد نہیں پڑھی گئی اُس کی مثال ایسی ہے جیسا ادھورا بچہ (حمل میں سے ساقط ہو گیا)۔“

یعنی جس طرح وہ بچہ نام کے اعتبار سے پیدا تو ہوا لیکن کچھ کام نہ آیا۔ اسی طرح یہ نماز نام کے لحاظ سے نماز ہے لیکن کارآمد کچھ بھی نہیں۔ مجمع البحار اور صراح میں ہے کہ جو بچہ حمل کی مدت سے کم میں پیدا ہو مگر ہاتھ پاؤں وغیرہ سے صحیح سلامت جیتا جاگتا ہو تو اُس کو خدیج کہتے ہیں۔ اور جو بچہ ادھورا پیدا ہو یعنی جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ بعض جسم بناتھا اور بعض نہیں بنا اُس کو ”مُخَدِّج“ کہتے ہیں۔ جزء القراءة (فاروقی، ص: ۴۸) میں ہے کہ جب اوٹنی کا حمل ساقط ہو جاتا ہے تو عرب کے محاورے میں بولتے ہیں: ”أَخْذَجَتِ النَّاقَةُ“ یعنی اوٹنی نے حمل گرا دیا۔ اسقاط کا بچہ مردہ اور ناکارہ ہوتا ہے اور حدیث مذکورہ بالا میں مُخَدِّجہ کا لفظ موجود ہے۔ پس جب خود حدیثوں میں یہ لفظ آگئے کہ ”جائز نہیں“۔ ”قبول نہیں“۔ ”ادھورے اور مردہ بچے کی مانند ہے“ تو حدیث «لَا صَلَوةَ» کے یہ معنی کیوں کر بن سکتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے مگر ثواب میں نقصان رہتا ہے؟! بلکہ یہی معنی ہوئے

کہ وہ نماز ہوتی ہی نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں مقتدی کا نام نہیں ہے پس مقتدی کی نماز ہو جائے گی اور اس کی تائید میں حدیث بھی موجود ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ((من كان له امام فقراء ته له قراءه)) یعنی ”جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے پس امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے۔“ نیز بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((لا قراءه خلف الامام)) یعنی ”جب کوئی امام کے پیچھے ہو تو اُس کو قراءۃ نہیں کرنی چاہیے۔“ بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((تكفيك قراءه الامام)) یعنی ”امام کی قراءۃ تجھ کو کفایت کرتی ہے۔“ بعض روایات میں یہ لفظ ہیں: ((الا ان يكون وراء الامام)) یعنی ”قراءۃ واجب ہے لیکن امام کے پیچھے ہو تو واجب نہیں۔“ مگر ان دلیلوں سے بھی کام نہیں نکلتا۔ کیونکہ دارقطنی نے اپنی کتاب میں ان سب حدیثوں کو روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی بعض روایتیں اس مضمون کی لائے ہیں۔ لیکن سوائے موقوف اور مرسل سندوں کے مرفوع متصل سندیں جس قدر ہیں سب ہی کو ضعیف کہا ہے۔

[دارقطنی، مطبوعہ فاروقی، ص: ۱۲۳ و ۱۲۶ وغیرہ]

ظاہر بات ہے کہ جب تک مرفوع اور متصل سند صحت کو نہ پہنچے تب تک کافی نہیں ہو سکتی۔ مرفوع متصل صحیح اُس کو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا قول ہو اور راویوں کا سلسلہ درمیان میں منقطع نہ ہو اور سب راوی یکے ہوں ضعیف نہ ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس مضمون کی سب روایتوں کو ضعیف کہا ہے۔ [تخریج ہدایہ فاروقی، ص: ۹۳ وغیرہ]

تعلیق المغنی حاشیہ دارقطنی میں ہے سلمہ بن محمد فقیہ نے بیان کیا کہ میں نے حافظ الحدیث ابو موسیٰ رازی سے حدیث ((من كان له امام فقراء)) الامام لہ قراءۃ)) کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس مضمون کی مرفوع روایت یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول تو صحیح سند کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے، ہمارے مشائخ نے اس مسئلے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول پر اعتماد کر لیا ہے۔ [دارقطنی فاروقی، ص: ۱۲۳]

تلخیص الحیبر میں ہے کہ حدیث من كان له امام الخ مشہور ہے اور بہت سندوں سے آئی ہے لیکن کوئی سند علت سے خالی نہیں سب ہی میں کچھ نہ کچھ علت ہے۔ [تلخیص فاروقی، ص: ۸۷]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث نہ علمائے عرب کے نزدیک ثابت ہوئی نہ اہل عراق کے اور نہ کسی اور کے۔ اس کی روایتیں مرسل ہیں یا منقطع ہیں، یعنی بیچ میں سے راوی چھوٹ گئے ہیں [جزء القراءۃ فاروقی، ص: ۷۷]۔ فتح الباری [مطبوعہ انصاری، ص: ۴۱۵] میں ہے کہ جو لوگ حدیثوں کے جاننے اور پرکھنے والے ہیں اُن کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ پس حدیث لا صلوة کا حکم عام ہر نمازی کے حق میں ثابت رہا امام ہو یا اکیلا یا مقتدی۔ کیونکہ جس طرح امام اور اکیلے کی نماز کو نماز کہتے ہیں اسی طرح مقتدیوں کی نماز بھی نماز ہی ہے۔ اور نماز بدون الحمد کے ہوتی نہیں۔ البتہ اگر حدیث من كان له امام الخ وغیرہ صحیح سند سے ثابت ہو جاتی تو یہ بات ضرور ماننی پڑتی کہ مقتدی اُس عام حکم سے مستثنیٰ ہے اور جب استثنا کا ثبوت نہ ہو تو مقتدی پر الحمد کا پڑھنا لازم رہا۔

بعض کہتے ہیں کہ حدیث لا صلوة الخ میں مقتدی کا نام نہیں ہے۔ تو پھر مقتدی کی نماز الحمد کے بغیر کیوں نہ ہوگی۔ لیکن یہ بات بھی نہیں چل سکتی کیونکہ نام تو امام اور اکیلے کا بھی نہیں ہے۔ اگر نام نہ ہونے سے وجوب ساقط ہوتا ہے تو چاہیے کہ امام اور اکیلے پر بھی الحمد کا پڑھنا واجب نہ ہو۔ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ نام تو تینوں کا نہیں مگر دو پر واجب اور ایک کو منع! یہ بات تو تب ہی بن سکتی تھی جب کہ مقتدی کی خصوصیت یا استثناء والی حدیثیں صحیح سند سے ثابت ہو جاتیں۔ مگر تقدیر الہی سے وہ حدیثیں ثبوت کو نہ پہنچیں اور اُس کا خلاف ثابت ہے یعنی وہ حدیث جس میں مقتدیوں کے واسطے صاف اور صریح لفظوں میں یہ حکم موجود ہے کہ ”الحمد پڑھا کرو، الحمد کے بغیر نماز نہ ہوگی صحیح سند سے موجود ہے۔ [جاری ہے]

# آداب فتاویٰ

## احتیاط، تقاضے

ماخوذ از فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!  
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمن  
الرحیم .

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ  
فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

[النحل: ۱۶/۴۳]

”اور آپ سے پہلے بھی ہم انسانوں کو ہی بھیجتے رہے جن کی  
جانب وحی اتارا کرتے تھے۔ (لوگو!) اگر تم نہیں جانتے تو ذکر  
والوں (اور علم والوں) سے پوچھ لیا کرو۔“  
اس آیت کریمہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

①..... دنیا میں جتنے رسول آئے وہ سب انسان ہی تھے۔

②..... اور اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو رسولوں، نبیوں اور عالموں

سے دریافت کر لینی چاہیے۔ دنیوی و دینی معاملات میں یہ بہت ہی  
ضروری ہے کیوں کہ خدا اور رسول کی تابع داری بغیر صحیح علم کے نہیں ہو سکتی  
ہے۔ ناواقفیت ایک بیماری ہے جس کا علاج علم ہی سے کیا جاسکتا ہے  
جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿شَفَاءُ النَّفْسِ السَّوَالُ﴾ [ابوداؤد]  
”جہالت اور نادانی کا علاج سوال کر کے معلوم کر لینا ہے۔“

نہ بغیر علم کے عمل کرنا چاہیے اور نہ بغیر علم کے کسی کو بتانا چاہیے۔  
ضرورت کے وقت سوال کرنے والے کو ’سائل‘ اور ’مستفتی‘ جب کہ  
جواب دینے والے کو ’مجیب‘ اور ’مفتی‘ کہتے ہیں۔ کسی مسئلے کے جواب  
دینے کو ’فتا‘ کہتے ہیں۔ اصل آمر یعنی حقیقی حکم دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی  
ہے جب کہ انبیاء و علماء اور فقہاء مبلغ اور ناقل ہیں۔ حکم دینے کا اصل

منصب اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے، قرآن مجید میں فرمایا:  
﴿يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء:

[۱۷۶/۴]

”لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں، آپ جواب دیجیے  
کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے بارے میں۔“

اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کا اصل آمر ہونا ثابت ہو گیا۔ پھر  
یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا اور آپ انسانوں میں مفتی اعظم  
ہیں۔ پھر آپ کے بعد صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور فقہائے  
عظام اور علمائے کرام ہیں۔ مستفتی جو مسئلہ دریافت کرتا ہے وہ اس لیے  
کہ وہ جانتا نہیں ہے۔ لہذا جاننے والے کو ضروری ہے کہ سائل کو جواب  
باصواب دے۔ اگر مفتی بلا عذر وہ نہیں بتائے گا تو شرعاً مجرم ہوگا۔ رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَلْجَأُ مِنْ  
نَارٍ﴾ [رواہ ابوداؤد والترمذی]

”جس سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ نہ بتائے تو قیامت  
کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔“  
اسی طرح سے بغیر علم کے اور بے سمجھے بوجھے بتانا بھی حرام  
ہے، فرمایا:

﴿مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ﴾ [ابوداؤد]

”جس شخص کو بے علمی سے کوئی شریعت کا مسئلہ بتایا جائے پھر  
وہ اس پر عمل کرے تو گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس کو غلط  
فتویٰ دیا۔“

کیوں کہ فتویٰ لینے والا بوجہ بے علمی کے معذور ہے۔<sup>(۱)</sup>  
فتویٰ لینے دینے والوں کو احتیاط کرنی چاہیے اور شک و شبہ کی بات کو دور کر دینا چاہیے، اسی لیے فرمایا:

«الْإِنْسَانُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْثَاكَ النَّاسُ» [احمد و دارمی]

”گناہ وہ ہے جس سے نفس میں خلش اور چہن محسوس ہو اور دل میں تردد اور دھڑکڑ پکڑ ہو اگرچہ لوگ جائز ہونے کا فتویٰ دیں۔“  
[مطلب یہ کہ فتویٰ تو لینا ہی چاہیے مگر فتوے پر ہی نہیں رہنا چاہیے بلکہ دل کا حال بھی معلوم کرنا چاہیے، تقویٰ اسی میں ہے۔ (ع۔ و)۔<sup>(۲)</sup>

غرض فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ دوسری چیز۔

«اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَإِنْ أَفْثَاكَ الْمَفْتُونُ»

”تو اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ کوئی شخص تجھ کو فتویٰ دے دے۔“ (جب بھی اس کے فتوے کو نہ دیکھ اور اپنے دل میں غور کر مومن جب خلوص کے ساتھ خدا کی طرف رجوع ہو تو حق بات کی توفیق اس کو دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ حق بات اس کے دل میں ڈال دے گا۔)  
بغیر تحقیق کے کسی سوال یا فتوے کا جواب دینا سخت گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَفْثَىٰ بِفُتْيَا غَيْرِ ثَبَّتْ فَإِنَّمَا اِثْمُهُ عَلَىٰ مَنْ أَفْثَاهُ»

”جو بغیر علم کے فتوے دے گا تو اس کا گناہ فتوے دینے والے پر ہوگا۔“ [ابن ماجہ]

جاہلوں اور ناقصوں کو مفتی بنانا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیوں کہ وہ خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔  
جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بَقْبِضِ الْعُلَمَاءِ؛ فَإِذَا كُفِيَ عَالَمٌ اتَّخَذَ

النَّاسُ زُؤُوسًا جُهَالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» [بخاری، ابن ماجہ]

”اللہ تعالیٰ دین کا علم بندوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا بلکہ عالموں کو اٹھانے سے علم کو اٹھائے گا۔ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار اور پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

❁..... امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ جواب دینے سے پہلے جنت دوزخ کا تصور باندھ لے۔ سوچے کہ کل قیامت کے دن چھٹکارا کیسے حاصل ہوگا پھر جواب دے۔ امام صاحب رحمہ اللہ سے ایک مرتبہ سوال ہوا جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں“ تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو معمولی مسئلہ ہے! آپ بہت بڑ کر فرمانے لگے: ”سنو! کوئی چیز معمولی نہیں، کیا قرآن کی آیت تم نے سنی نہیں؟ ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ ”ہم تجھ پر بوجھل بات ڈالیں گے“، پس علم سب کا سب ثقیل ہے اور خصوصیت سے وہ حصہ جس کی بابت کل قیامت کے دن ہم سے سوال ہونے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک مجھے میرے ستر استادوں نے یہ سند نہ دے دی کہ میں فتویٰ دینے کے قابل ہو گیا ہوں میں نے کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے تئیں خود ہی کسی کام کا اہل نہ سمجھ لے جب تک کہ اس کام کے ماہر اسے اس کام کا اہل نہ کہہ دیں۔ میں نے تو امام ربیعہ سے امام یحییٰ بن سعید سے جب تک دریافت نہ کر لیا اور جب تک انھوں نے مجھے فتوے دینے کا حکم نہ دیا میں نے فتوے دینے شروع نہیں کیے۔ اگر یہ بزرگ مجھے روک دیتے تو واللہ! میں تورک جاتا۔ تم دیکھتے نہیں ہوسخت مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جب تک دوسروں سے بحث نہ کر لیتے فیصلہ کن جواب نہیں دیتے تھے، حالاں کہ جو ہدایت خدا انھیں میسر تھی وہ ظاہر ہے، پھر بھلا ہم کون؟ جن

(۱)..... بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے: ”جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے تو گناہ فتویٰ لینے والے پر ہوگا۔ یعنی جس نے اس کو مفتی بنایا کیوں کہ اس کو لازم تھا کہ عالم سے مسئلہ پوچھتا، اُس سے فتویٰ لیتا۔ اس نے جاہل سے فتویٰ لیا اس لیے گناہ اسی پر ہوگا۔

(۲)..... مطبوعہ نسخے میں اس جگہ دو سطر خالی (.....) تھیں، مکعبین □ کے درمیان والی عبارت سیاق و سباق کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ (ع۔ و)

کے گناہوں اور خطاؤں نے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔“

امام مالک رحمہ اللہ کی حالت بھی یہی تھی کہ جب اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو یہ معلوم ہوتا گویا آپ جنت دوزخ کے درمیان کھڑے ہیں۔

..... حضرت عطاء رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے کہ جب ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ جواب دیتے ہوئے کپکپانے لگتے۔ سب کو جانے دیجیے خود سرور کائنات ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ شہروں کا برا مقام کون سا ہے؟ فرماتے ہیں: ”مجھے معلوم نہیں جب تک کہ میں جبریل سے نہ پوچھ لوں۔“ ان سے دریافت کر کے جواب دیتے ہیں کہ ”شہروں کی بدترین جگہ بازار ہیں۔“

..... امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو مفتی بننے کے لیے پیش کرنا ایک خطرناک بوجھ اپنے اوپر لینا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی ایسی ہی ضرورت نے مجبور کر دیا ہو۔

..... حضرت شععی رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، انھوں نے جواب دیا کہ ”میں نہیں جانتا“ تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ آپ تو سارے عراق کے واحد فقیہ ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ”یہ کہتے ہوئے فرشتے تو شرماتے نہیں پھر میں کیوں شرم اؤں؟ انھوں نے صاف کہہ دیا: ﴿لَا عَلِمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾

”بعض اہل علم کا یہ لطیفہ یاد رکھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ ”میں نہیں جانتا“ اس کے کہنے کا فائدہ تمہیں معلوم نہیں۔ سنو! اس کے کہنے سے لوگ تمہیں وہ علم حاصل کرائیں گے جو تمہیں حاصل نہیں۔ لیکن جب تم اس کے خلاف علم میں دعوے کرو گے تو پوچھتے پوچھتے تمہیں اس حد تک پہنچا دیں گے کہ تمہاری لاعلمی ظاہر ہو جائے۔ عقبہ بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے چونتیس ماہ تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت اٹھائی تو میں نے یہ دیکھا کہ عموماً جو سوال آپ سے ہوتا آپ فرمادیتے: ”میں نہیں جانتا۔“

..... حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ تو سوالات کا جواب دینے سے بہت ہی پرہیز کیا کرتے تھے پھر بھی کچھ کہنا پڑتا تو پہلے سے دعا مانگ لیتے ”اٰلٰہی! خود مجھے بچا اور مجھ سے اوروں کو بھی بچا۔“

..... حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک سوال ہوا، آپ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموش ہو گئے تو کہا گیا کہ جناب! جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا: ”سوچ رہا ہوں کہ فضیلت چپ رہنے میں ہے یا جواب دینے میں۔“

..... ابن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سوئس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا، انھیں دیکھا کہ ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسروں پر ٹال دیتے یہاں تک کہ سب کے پاس سے ہو ہوا کر پھر پہلے کی طرف مسئلہ آ جاتا۔ چنانچہ کوئی حدیث بیان کرنی ہوتی کوئی فتویٰ دینا ہوتا تو ہر ایک یہی چاہتا کہ کوئی اور بیان کر دے، کوئی اور فتویٰ دے دے۔

..... ابوالحسین ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانے میں تو لوگوں کا یہ حال ہے کہ جو پوچھو جتنا پوچھو بتائے چلے جاتے ہیں۔ حالاں کہ ان میں سے ایک ایک مسئلہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ تمام بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر لیتے اور ان سے دریافت فرماتے۔ حضرت امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے یہ اچھی طرح یاد نہیں۔ سائل نے کہا جناب! میں تو آپ کو جانتا ہوں آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا میری بڑھی ہوئی ڈاڑھی اور میری مجلس کا لوگوں سے پُر ہونا اپنی نگاہ میں نہ رکھ، واللہ! اس مسئلے کو میں بخوبی نہیں جانتا۔ ایک صاحب قریشی جو ان کے پاس بیٹھے تھے فرمانے لگے: دیکھو بھائی انھیں نہ چھوڑنا اس سے بہتر علمی مجلس تمہیں اور نہیں مل سکتی۔ اس پر حضرت قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا:

”واللہ میری زبان کا کٹ جانا مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے پورا علم نہ ہو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا (ان دونوں بزرگوں میں بھائی چارہ تھا) کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ طبیب بن کر بیٹھے ہیں تو کہیں انجان علاج نہ کرنے لگنا اور مسلمانوں کی جان کے درپے نہ ہونا۔ اب ان کی یہ حالت تھی کہ دو شخصوں میں جھگڑا تو چکا دیا کرتے لیکن پھر انھیں بلاتے اور کہتے دوبارہ پیش کرو، اور غور کر لوں۔“ [مخص از اعلام الموقعین]

## فتاویٰ سے متعلقہ چند فوائد

علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین کے آخری حصے میں فتویٰ دینے والوں کے لیے بہت مفید فائدے لکھے ہیں، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ پر مفتی اور مستفتی کے لیے ان فائدوں کو مختصر بیان کر دوں تاکہ یہ حضرات فائدہ اٹھا سکیں۔ علامہ موصوف نے فتاویٰ کے سلسلے میں ستر فائدے بیان کیے ہیں ان میں سے چند فائدے ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

### فائدہ (۱):

سانکوں کے سوالات عموماً چار قسم کے ہوتے ہیں کسی پانچویں قسم کے نہیں ہوتے۔

①..... اوّل یہ کہ کسی حکم کی بابت پوچھے کہ فلاں فلاں بات کا کیا حکم ہے؟

②..... دوسرے یہ کہ کسی حکم کی دلیل دریافت کرے۔

③..... تیسرے یہ کہ وجہ دلالت پوچھے۔

④..... اور چوتھے یہ کہ جواب کے خلاف جو دلیل ہو اس کی نسبت سوال کرے۔

حکم کی بابت جو سوال کرتا ہے اس وقت جس سے سوال کیا جاتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس مسئلے کا اسے علم ہو دوسرے یہ کہ اسے علم نہ ہو۔ اگر وہ جاہل ہے تو اسے بے علمی کے ساتھ فتویٰ دینا حرام ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہے اور سائل کا گناہ بھی۔ اگر اسے اس مسئلے میں لوگوں کے اقوال تو معلوم ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان میں ٹھیک قول اور صحیح فتویٰ کیا ہے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور اگر ہو سکتا ہو تو اس اختلاف کو بھی بیان کر دے۔

اگر وہ شخص جس سے سوال کیا گیا ہے اس کے جواب کا علم رکھتا ہے تو اب سائل کی دو حالتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس پر عمل کا وقت آ گیا ہے، معاملہ درپیش ہے، قضیہ موجود ہے اور حاجت پڑنے پر وہ سوال کے لیے نکلا ہے تو مفتی پر ضروری ہے کہ فی الفور اسے جواب دے، ایسے

حاجت کے وقت اس کے سامنے حکم کا بیان نہ کرنا کسی طرح جائز نہیں، نہ تاخیر ہی جائز ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ اس نے ایسے واقعے کا سوال کیا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا یوں ہی فرضی سوال ہے تو جواب دینے والے پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔ بلکہ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ کوئی جواب نہ دیتے اور فرماتے بس ہمیں عافیت سے رہنے دو۔ اس لیے کہ رائے سے فتویٰ دینا تو صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے، ایسے ہی جیسے اضطراب کے وقت مردہ کھا لینا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اس مسئلے میں کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی یا اجماع نہ ہو۔ اگر یہ ہو تو اس پر اس کی تبلیغ بقدر امکان ضروری ہے۔ کسی سے کوئی علمی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن آگ کی لگام چڑھائے گا۔ ہاں اگر فتویٰ دینے والا سائل کی شرارت سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ کچھ نہ بولنا اچھا ہے بہ نسبت بولنے کے، اس کا جواب دینے میں فتنہ ابھرے گا تو بے شک اسے چپ رہنا چاہیے۔ کیوں کہ دو فسادوں میں سے ہلکا فساد یہی ہے اسے برداشت کر کے بڑے فساد سے بچ جائے۔ چنانچہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کے اسلام کے نئے زمانہ کی وجہ سے اور اسی خوف سے کہ کہیں یہ مرتد نہ ہو جائیں کعبے کو توڑ کر ابراہیمی بنا پر بنانا موقوف کر دیا۔ اسی طرح اگر سائل کی عقل جواب کے سمجھنے سے قاصر نظر آئے اور جواب اس کے فتنے کا سبب بن جانے کا خوف ہو تو بھی جواب سے رک جانا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص ایک آیت کی تفسیر پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے میں تجھے بتلاؤں اور پھر تو اسے نہ سمجھے اور اس سے انکار کر جائے۔ چنانچہ آپ نے نہ بتلایا۔

### فائدہ (۲):

مفتی کو یہ بھی جائز ہے کہ مستفتی کے سوال سے ہٹ کر جواب دے اور اسے وہ بتلائے جو اس کے اصلی جواب سے زیادہ نفع دینے والا ہو، بالخصوص اس وقت جب کہ اس کے سوال کا جواب بھی ضمانت میں آ جاتا ہو۔ بلکہ یہ تو مفتی کے پورے علم، اعلیٰ کمال، بہترین سمجھ اور پوری خیر خواہی کی علامت ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ

فَلْيَوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ  
السَّبِيلِ ۖ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

”لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو جواب  
دے کہ تم جو بھی بھلی چیز نکالو وہ ماں باپ کو دو اور قرابت داروں  
کو دو، یتیموں کو دو، مسکینوں کو دو اور مسافروں کو دو، تم جو بھی  
نیکیاں کرو گے اللہ ان سے واقف ہے۔“ [البقرة: ۲۱۵]

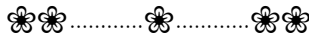
دیکھئے! سوال تھا کیا خرچ کریں؟ جواب دیا: کہاں خرچ کریں  
اس لیے کہ یہاں یہ چیز اصل سوال کے جواب سے زیادہ ضروری اور اہم  
تھی، جب کہ نفس سوال کا جواب بھی اسی سیاق کے ساتھ دوسری آیت  
میں صاف فرما دیا کہ زائد از حاجت چیز (خرچ کرو) جسے دینا گراں نہ  
گزرے۔ اسی جیسا سوال و جواب یہ بھی ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ طَقُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ  
وَالْحَجِّ﴾ [البقرة: ۱۸۹/۲]

”یعنی لوگ تجھ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے

ہیں۔ تو جواب دے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے مقررہ  
وقت بتلانے کے لیے ہیں۔“

سوال یہ تھا کہ چاند بالکل ہلکا اور چھوٹا سا ظاہر ہوتا ہے، پھر بتدریج  
بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے، پھر گھٹنے لگتا ہے۔ اس کا  
سبب کیا ہے؟ جواب میں اس کی حکمت بیان ہوئی کہ بندوں کی مصلحت  
اور ان کے احوال و معاش اور عبادت کے وقت کی تعیین اس سے ہوتی  
ہے۔ سوال کی دو شقیں ہو سکتی ہیں ممکن ہے کہ سانکوں کا مقصود سبب  
دریافت کرنا ہو اور ہو سکتا ہے کہ انھوں نے حکمت و مصلحت ہی دریافت  
کی ہو تو پہلی شق پر تو اصلی جواب سے بہتر جواب دیا گیا ہے، دوسری شق  
پر عین سوال کا جواب ہوا۔ ان کے سوال کے لفظ دونوں باتوں کا احتمال  
رکھتے ہیں۔ انھوں نے یہ پوچھا تھا کہ چاند بہت باریک دکھائی دیتا ہے  
پھر بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا  
ہے۔ [جاری ہے]



### ضرورتِ رشتہ

- پاکستان میں مقیم دو اعلیٰ تعلیم یافتہ بچیوں کے لیے دو ہم پلہ اہل حدیث بچوں کے رشتے درکار ہیں۔
- ①..... ایک بچی کی تعلیم ایم فل بائیو ٹیکنالوجی۔
- ②..... ایک بچی کی ڈاکٹریٹ کی تعلیم جاری ہے۔

رابطہ سعودی عرب: 00966557002435 ..... رابطہ پاکستان: 0321-4504689

### دارالسلام کا پیام اقبالؒ الہم

کتاب وسنت کی اشاعت اور اسلامی تہذیب و اقدار کے عالمی ادارے ”دارالسلام“ نے شاعر مشرق، مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے کلام پر مشتمل آڈیو کیسٹ اور سی ڈی پر مشتمل الہم ریلیز کر دیا ہے۔ یہ الہم دارالسلام کے جدید ترین ڈیجیٹل ریکارڈنگ سسٹم پر تیار کیا گیا ہے جو ۸ نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے، بچوں اور بڑوں کے لیے یکساں طور پر دلچسپی کی حامل اور شائقین اقبال کے لیے خوب صورت تحفہ ہے۔ یہ الہم دارالسلام کے ہیڈ آفس 36 لوئر مال روڈ لاہور یا دارالسلام کی کسی بھی برانچ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

[منیجر دارالسلام، فون: 042-7324034, 7232400, 7120054]



## مسجد کے مقام کی بحالی

مساجد و مکاتب قرآنیہ میں مشغول عمل قراء و حفاظ کرام کی توجہ کے لیے

مولانا عمر فاروق السعدی

صاحب، حافظ صاحب یا قاری صاحب کو منصب تدریس پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ پھر ناتجربہ کاری کی وجہ سے بعض اوقات کچھ ایسی چیزیں سامنے آ جاتی ہیں جو اس پورے شعبے، طبقے اور نظام ہی کے لیے قابل اعتراض بن جاتی ہیں۔

تیسرے، ہمارا دیہاتی ماحول بالعموم کچھ ایسا ہے کہ وہاں ماں باپ یا اطراف کے لوگ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ کرخت مزاجی اور بدزبانی ان کی عادت ثانیہ ہوتی ہے۔ سختی و بدزبانی کی انھیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ ایسے گھرانوں کے بچے مکتب میں آ کر بھی شاید وہی کچھ چاہتے ہیں۔ نرمی و لطافت کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

چوتھے، بعض استاذ بچوں پر اپنی ہیبت قائم رکھنے کے لیے موقع بے موقع ڈنڈا چلاتے ہیں تاکہ بچے ان سے مرعوب رہیں۔

پانچویں، وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ استاذ جماعت میں بچوں کی زیادہ تعداد کی وجہ سے تیز رفتاری سے سبق سننا اور دینا چاہتا ہے۔ مگر بچے اس کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پاتے، وقت کم ہوتا ہے۔ والدین یا انتظامیہ بہترین نتیجے کا مطالبہ کرتے ہیں تو استاذ اس طرح سے انھیں تیز رفتار بنانا چاہتا ہے۔

یہ کچھ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے بعض استاذ بچوں کو مارتے اور وہ مار کھاتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو استاذ بلکہ معلم قرآن کا مقام و مرتبہ اور اس کا منصب اس قدر عظیم، لطیف اور حساس ہے کہ اس میں درشت مزاجی (غلیظ القلب ہونا) بلکہ چہرے کی تیوڑی (عبوساً قمطریاً) تک اس کی شان کے خلاف ہے۔

استاذ مستقبل کا معمار ہے:

استاذ نے ان نوخیز بچوں کو اپنے ملک و ملت کے لیے تیار کرنا

ہمارے مؤقر مجلہ الاعتصام کی ایک گزشتہ اشاعت (۷- نومبر ۲۰۰۸ء) میں ”مسجد کے مقام کی بحالی“ کے عنوان سے ایک قابل قدر اہم پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ ملک میں یہ کام قدیم سے جاری ہے مگر اس میں وسعت، نصاب اور اسلوب تدریس میں یقیناً اصلاح کی ضرورت ہے۔ ذمہ داران کو اس میدان میں توسیع و اصلاح کے لیے کمر ہمت باندھنی چاہیے تاکہ ہماری نسل نو اسلام اور قرآن سے مربوط رہے اور کفر و کفار اپنے منہ کی کھائیں۔

مساجد و مکاتب میں تعلیم القرآن اور حفظ القرآن کے محترم معلمین کے اسلوب تدریس سے متعلق کچھ ایسے مشاہدات سامنے آتے رہتے ہیں جو ارحم قابل توجہ اور اصلاح چاہتے ہیں۔ میری مراد ہے نوخیز بچوں کے ساتھ تدریس میں ناروا سختی، شدت اور سزا۔ جو بچے اپنے استاذ محترم کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے انھیں بعض اوقات بڑی سخت، ناروا اور اہانت آمیز سزا دے دی جاتی ہے جو استاذ اور شاگرد دونوں کے لائق نہیں ہوتی۔ یہ چیز اسوۂ حسنہ، ماہرین تعلیم، سلف و خلف کے افکار اور فقہ اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔

معلم و مدرس اور بالخصوص تعلیم القرآن اور تحفیظ و تجوید کا استاذ ہونا ایک اعزاز اور ذمہ دارانہ حساس منصب ہے۔ یہ تعمیر ملت کا کام ہے۔ اس میں بڑے دل جگرے، تحمل و برداشت اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے، جو ایک طرف استاذ کو عمر میں چنگی، علم و عمل میں رسوخ، تجربے اور اپنے اساتذہ سے عملی تربیت سے ملتی ہے۔

دوسری طرف ہمارے دینی شعبہ میں ”تدریب المعلمین“ کے ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایک نوعمر فارغ التحصیل مولوی

تاریخ	صبح صادق اذان فجر	طلوع آفتاب	زوال اذان ظہر	انحرش اول اذان عصر	انحرش ثانی	غروب آفتاب اذان مغرب	غروب شفق اذان عشاء
منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
یکم جنوری	5 : 37	7 : 03	12 : 08	2 : 40	3 : 33	5 : 11	6 : 38
11	5 : 37	7 : 04	12 : 12	2 : 45	3 : 40	5 : 18	6 : 45
21	5 : 38	7 : 03	12 : 15	2 : 51	3 : 50	5 : 27	6 : 52
یکم فروری	5 : 33	6 : 57	12 : 17	2 : 57	4 : 00	5 : 38	7 : 01
11	5 : 28	6 : 50	12 : 18	3 : 02	4 : 08	5 : 46	7 : 08
21	5 : 20	6 : 40	12 : 18	3 : 07	4 : 16	5 : 55	7 : 16
یکم مارچ	5 : 11	6 : 32	12 : 17	3 : 10	4 : 21	6 : 01	7 : 22
11	5 : 00	6 : 20	12 : 14	3 : 12	4 : 27	6 : 08	7 : 29
21	4 : 48	6 : 07	12 : 11	3 : 13	4 : 31	6 : 15	7 : 35
یکم اپریل	4 : 33	5 : 53	12 : 08	3 : 15	4 : 35	6 : 22	7 : 44
11	4 : 17	5 : 40	12 : 05	3 : 17	4 : 39	6 : 29	7 : 52
21	4 : 03	5 : 30	12 : 03	3 : 18	4 : 44	6 : 35	8 : 01
یکم مئی	3 : 51	5 : 19	12 : 01	3 : 20	4 : 51	6 : 42	8 : 10
11	3 : 39	5 : 10	12 : 00	3 : 24	4 : 54	6 : 49	8 : 19
21	3 : 30	5 : 04	12 : 00	3 : 27	4 : 56	6 : 56	8 : 29
یکم جون	3 : 22	5 : 00	12 : 02	3 : 31	4 : 58	7 : 03	8 : 40
11	3 : 20	4 : 58	12 : 03	3 : 34	5 : 00	7 : 07	8 : 46
21	3 : 20	4 : 59	12 : 05	3 : 38	5 : 02	7 : 10	8 : 49

## ہدایات

### متعلقہ اوقات نماز

از حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ

①..... نماز فجر: نماز فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک

ہے۔ لیکن نماز اندھیرے ہی میں ادا کرنا سنت ہے۔

②..... نماز ظہر: نماز ظہر کا وقت زوال سے فوراً بعد سے انحرش

اول تک ہے۔ افضل وقت 45 منٹ تک رہتا ہے۔ گرمیوں میں

قدرے ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔

③..... نماز عصر: نماز عصر کا اول اور افضل وقت انحرش اول

سے 45 منٹ بعد تک ہوتا ہے انحرش ثانی تک مختار وقت ہے۔ دھوپ

کے زرد ہونے تک جواز بلا کراہت اور غروب آفتاب تک جواز

با کراہت ہے۔

④..... نماز مغرب: نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب سے سرفی

غائب ہونے تک ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ 11/4 گھنٹہ تک رہتی ہے

افضل وقت اول وقت ہے۔

⑤..... نماز عشاء: نماز عشاء کا وقت غروب شفق سے نصف رات

تک ہے۔ تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔

تاریخ	صبح صادق اذان فجر	طلوع آفتاب	زوال اذان ظہر	انحراف اذان اذان عصر	آخر شیشانی	غروب آفتاب اذان عشاء	غروب شفق
منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
یکم جولائی	3 : 23	5 : 02	12 : 07	3 : 40	5 : 03	7 : 12	8 : 51
11	3 : 29	5 : 06	12 : 08	3 : 38	5 : 02	7 : 11	8 : 48
21	3 : 37	5 : 12	12 : 10	3 : 38	5 : 01	7 : 08	8 : 43
یکم اگست	3 : 47	5 : 20	12 : 10	3 : 35	4 : 59	7 : 01	8 : 33
11	3 : 56	5 : 27	12 : 09	3 : 30	4 : 53	6 : 51	8 : 22
21	4 : 05	5 : 32	12 : 07	3 : 22	4 : 47	6 : 41	8 : 08
یکم ستمبر	4 : 15	5 : 38	12 : 04	3 : 17	4 : 39	6 : 29	7 : 53
11	4 : 23	5 : 45	12 : 01	3 : 10	4 : 29	6 : 16	7 : 39
21	4 : 30	5 : 52	11 : 57	3 : 00	4 : 19	6 : 03	7 : 25
یکم اکتوبر	4 : 36	5 : 58	11 : 54	2 : 52	4 : 09	5 : 50	7 : 11
11	4 : 42	6 : 04	11 : 51	2 : 48	3 : 59	5 : 37	6 : 58
21	4 : 49	6 : 12	11 : 49	2 : 40	3 : 49	5 : 26	6 : 47
یکم نومبر	4 : 57	6 : 20	11 : 48	2 : 32	3 : 38	5 : 15	6 : 38
11	5 : 04	6 : 28	11 : 48	2 : 29	3 : 33	5 : 08	6 : 31
21	5 : 11	6 : 37	11 : 50	2 : 28	3 : 27	5 : 04	6 : 28
یکم دسمبر	5 : 19	6 : 45	11 : 53	2 : 30	3 : 23	5 : 00	6 : 26
11	5 : 26	6 : 52	11 : 57	2 : 32	3 : 25	5 : 00	6 : 28
21	5 : 32	6 : 59	12 : 02	2 : 34	3 : 28	5 : 04	6 : 32

نماز تہجد: عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد نماز تہجد کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور طلوع فجر تک رہتا ہے افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

نماز اشراق: طلوع آفتاب کے بعد جب سورج کا رنگ سفید ہو جائے تو نماز اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ [بخاری مسلم]

نوٹ: نقشہ میں طلوع وغروب آفتاب اور زوال کے مکمل ہو جانے کا وقت درج ہے اس وقت سے 3 منٹ قبل کے دوران یہ میں نماز شروع کرنا منع ہے۔

شہر کا فرق	شہر	منٹ	مطلوبہ ( )	شہر	منٹ
شہر کا فرق	شہر	منٹ	مطلوبہ ( )	شہر	منٹ
14+	پشاور	14+	1-	لاہور	1-
1+	جہلم	1+	1-	سیالکوٹ	1-
14+	ڈیرہ اسماعیل خاں	14+	4+	راولپنڈی سرگودھا	4+
7+	سکھر	7+	4+	ساہیوال	4+
20+	کوئٹہ	20+	7+	جھنگ	7+
26+	کراچی	26+	8+	فیصل آباد کیمبل پور	8+
22+	ڈھاکہ	22+	9+	ملتان	9+

ہے۔ اور ان ہی بچوں نے مستقبل میں ذمہ دارانہ عہدوں اور مسند تدریس پر فائز ہونا ہے۔ اس لیے انھیں اپنے استاذ سے سخت اور مسلسل محنت کے ساتھ ساتھ محل، برداشت، عفو و درگزر اور تلافی مافات کے اسباق بھی اسی سے ملنے چاہئیں۔ انھیں ان صفات محمودہ سے عملاً آگاہ کرنا اور ان کا خوگر بنانا استاذ محترم ہی کا فریضہ ہے۔

اور یہ ضروری ہے کہ استاذ کا اپنا حال قابل رشک اور مستقبل محمود ہو۔ بچے گھروں میں اس کا ذکر خیر سے کریں اور مستقبل میں دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں اور اس کی نیک نامی کا باعث بنیں۔

### تدریب المعلمین ایک عمدہ کتاب:

میرے سامنے فن تجوید و حفظ کے ماہر اور معروف معلم جناب قاری محمد ادریس عاصم صاحب رحمہ اللہ کی ایک تالیف ”تدریب المعلمین“ ہے، جو خاص اس شعبہ کے مدرسین کی رہنمائی کے لیے تصنیف کی گئی ہے۔ چاہیے کہ ہر معلم بالخصوص معلم قرآن اس سے بخوبی استفادہ کرے، اور انتظامیہ اپنے مدرسین کو اس کے مطالعہ کا پابند بنائے۔ اسی طرح ایک اور کتاب ”مسلمان استاذ“ (مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت) بھی ایک شاندار کتاب ہے۔

میں نے تدریب المعلمین میں سے چند اہم اقتباسات یہاں پیش کرنے کی جرأت کی ہے اور اپنے قابل قدر اساتذہ کو متوجہ کرنا چاہا ہے کہ ان کا مقام و منصب اور زیادہ عزت پائے اور نوخیز بچے ان سے اور زیادہ خوش دلی کے ساتھ مستفید ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں:

### مارپیٹ سے اجتناب:

برصغیر پاک و ہند میں حفظ قرآن کی تعلیم کے لیے تشدد اور مارپیٹ کا تصور بہت شدید قسم کی وابستگی رکھتا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ سخت مار کے بغیر بچے حفظ نہیں کر سکتے۔ یہ تصور غلط اور گمراہ کن ہے۔ اس سے بچے کو قرآن کریم سے نفرت بھی ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دس سال سے کم عمر بچے کو تو نماز

چھوڑنے پر بھی مارنے کی اجازت نہیں دی۔ آپ ﷺ نے جانوروں کو بھی بری طرح مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ نے منہ پر مارنے سے بھی منع کیا ہے۔ چنانچہ جو نام نہاد استاد بچوں کو بے دردی سے مارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یوم حشر کے لیے جواب سوچ رکھیں۔ [ص: ۱۲۷]

### مارپیٹ کی بجائے یاد کرنے کے لیے دوسرے طریقے استعمال کریں:

مارپیٹ کی بجائے بار بار توجہ دلانا، سبق کو بار بار کہلوانا یا کبھی بطور سزا کھڑے ہو کر یاد کرنے کا کہنا<sup>(۱)</sup> یا بچوں کو انعام وغیرہ دے کر حفظ قرآن پر مائل کیا جائے۔ بچوں میں مسابقت کا جذبہ ابھارنے سے انھیں بآسانی حفظ کرایا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ اعلان کیا جائے کہ جو بچہ سب سے زیادہ آیات حفظ کرے گا، اسے انعام ملے گا۔<sup>(۲)</sup> میرے خیال میں ان اقدامات سے مارپیٹ کے مقابلے میں زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکیں گے۔ [ص: ۱۲۸]

### طلباء پر بے جا سختی مضر ہے:

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں: ”خوب یاد رکھیے کہ تعلیم کے سلسلہ میں بے جا مارپیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ مضر ہے، خصوصاً چھوٹے بچوں کے حق میں۔ کیوں کہ یہ استاذ کی نااہلی اور غلط تربیت کی نشانی ہے۔ جن کی نشوونما ڈانٹ ڈپٹ اور قہر و تشدد سے ہوتی ہے، خواہ وہ پڑھنے والے بچے ہوں یا لونڈی غلام یا نوکر چاکر، ان کے دل و دماغ پر استاذ کا قہر ہی چھایا رہتا ہے۔ بے چاروں کی طبیعت بچھ کر رہ جاتی ہے، امنگ و حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ شوق و دلچسپی جاتی رہتی ہے اور طبیعت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو دماغ ہی معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ تشدد سے جھوٹ اور بدباطنی پیدا ہوتی ہے اور خودداری سلب ہو جاتی ہے۔ گویا جبر و تشدد بچوں کو مکروفریب اور دغا بازی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس طرح جب ان پر ایک زمانہ جھوٹ بولتے بولتے گزر جاتا ہے اور عمر چکی ہوتی ہے تو یہ عیب پختہ ہو جاتے ہیں، بڑی عمر

(۱)..... راقم عرض کرتا ہے کہ بچے کو کھڑا کرنے کا وقت بھی بہت ہی مناسب ہونا چاہیے کہ اسے اپنی غلطی اور سستی کا احساس ہو نہ کہ اسے عاجز ہی کر دیا جائے۔

(۲)..... راقم کے نزدیک یہ ہے کہ والدین بھی اس سلسلہ میں استاذ صاحب سے رابطے میں رہیں اور خاموشی سے کچھ مبلغ اس کے حوالے کر دیں تاکہ بچے کو موقع بہ موقع انعام دیا جائے اور اسے نفسیاتی خوشی حاصل ہو۔

میں بھی نہیں جاتے۔<sup>(۱)</sup> [مقدمہ ابن خلدون، حصہ دوم، ص: ۳۶۵۔ تدریب المعلمین ص: ۱۰۷]

جدید تعلیمی نفسیات کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ جسمانی سزا طلبا کے تعلیمی عمل پر برا اثر ڈالتی ہے۔ لہذا احتی الامکان جسمانی سزا سے معلم گریز کرے۔ سزا طالب علم کی عزت نفس اور خود داری کو مجروح کرتی ہے، استاذ کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہے اور بسا اوقات طالب علم سلسلہ تعلیم ہی ختم کر دیتا ہے۔ لہذا استاذ کو بچوں کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔ ہاں اخلاقی جرائم پر طلبا کو سزا دی جاسکتی ہے۔

[ص: ۱۰۳]

### مارنے میں احتیاط:

بعض سخت گیر استاذ بچوں کو بڑی بے رحمی سے مارتے ہیں اور جب چھڑی اٹھاتے ہیں تو پھر روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے ہیں۔ ان کو اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ چھڑی بچے کے جسم پر کہاں لگ رہی ہے۔ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ بچے پڑھائی سے بد دل بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بچوں کو ہڈیوں پر، سر پر زور زور سے چھڑیاں مارتے ہیں۔ بعض استاذ بچوں کو تھپڑ، سکے، گھونے اور لاتین مارنے سے بھی کوئی دریغ نہیں کرتے۔ بچوں کے ہاتھ اور پاؤں کو بے دردی سے مروڑتے ہیں، یا اچانک منہ پر طمانچہ مار دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ناروا ہیں۔ چہرے پر مارنا تو بہت ہی غلط ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ [ص: ۳۹]

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر فی الواقع کوئی بچہ زبانی توجیہ اور ڈانٹ ڈپٹ سے کوئی اثر نہیں لے رہا اور سستی، غفلت اور لہو لعب یا اخلاقیات کی پامالی سے باز نہیں آ رہا تو اس کی گوشمالی ضرور ہونی چاہیے تاکہ اس کی طبیعت کا زنگ اتارا جائے، اور اس کی حالت سدھر جائے مگر اس بارے میں فقہ اسلامی میں جو آداب بتائے گئے ہیں نظر میں رہنے چاہئیں۔

فقہ اسلامی میں حد و تعزیر کے مستحق مجرموں کو سزا دینے اور حد

لگانے کے جو آداب الموسوعہ الفقہیہ (مطبوعہ وزارت الاوقاف کویت) میں لکھے گئے ہیں، ان کا حاصل یہ ہے:

①..... چھڑی معتدل اور درمیانی ہو۔ نذر م و نازک شاخ اور نہ سخت بھاری ڈنڈا، اور اس میں گرہیں بھی نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حد لگانے میں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ چھڑی لائی جائے اور اس کے اطراف سے گرہیں اتار لی جائیں اور اسے پتھروں میں رکھ کر کوٹ لیا جائے تاکہ وہ کچھ نرم ہو جائے۔

②..... ”مار“ میں (زور آوری کا اظہار نہ ہو، بلکہ) درمیانی ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”ضرب بین ضربین و سوط بین سوطین“ (یعنی مار درمیانی ہو اور چھڑی بھی درمیانی اور مناسب ہو) اور پھر مارتے ہوئے مارنے والے کا ہاتھ اس قدر اونچا نہ ہو کہ اس کی بغل ظاہر ہو۔ کیوں کہ یہ حد سے تجاوز ہے۔

③..... اور جسم کے مختلف حصوں پر ضرب لگائی جائے۔ مگر سر، چہرہ، سینہ، پیٹ، شرمگاہ اور ایسے مقامات بالخصوص بچائے جائیں جہاں مارنے سے آدمی قتل ہو سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے کہ ”اس طرح سے مارو کہ اسے چوٹ لگے اور تکلیف ہو، مگر سر اور چہرہ بچاؤ۔“

مذکورہ بالا مخصوص مقامات یا ایک ہی جگہ مسلسل مارنے سے کوئی ظاہری یا باطنی عضو یا حس ضائع/مفلوج ہو سکتی ہے۔

④..... فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ مجرم کو لٹا کر مارنا یا باندھ کر مارنا یا صرف ہاتھ باندھ کر مارنا قطعاً جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”مجرم کو لٹانا یا باندھنا یا اس کے کپڑے اتار دینا ہمارے دین میں نہیں ہے“ اس قدر ضرور ہے کہ اس کے جسم پر سردیوں والے کپڑے نہ ہوں۔

[الموسوعہ الفقہیہ کویتیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۰]

(۱)..... مزید براں جب یہ طالب علم کل کلاں استاذ بنتا ہے تو اس کے ذہن پر یہی بات غالب رہتی ہے کہ تدریس یا حفظ کے لیے ڈنڈا بڑا اہم عنصر ہے۔ اسے اس کے منفی اثرات کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ بات محض نظری ہی نہیں بلکہ فی الواقع بعض اساتذہ کرام کا یہ جملہ سننے میں آیا ہے کہ ”ہم نے تو ایسے ہی پڑھا ہے۔“ یا ”بچے اس کے بغیر پڑھتے ہی نہیں ہیں، یا پڑھ ہی نہیں سکتے۔“ وغیرہ [سعیدی]

## استاذ کے اوصاف:

(قاری صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ) استاذ کو بچوں کی نفسیات کا علم ہونا چاہیے۔ ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زیر تعلیم بچوں کی عادات و اطوار سے مکافقہ واقف ہو۔ اس کو معلوم ہو کہ کون سا بچہ نیک ہے، کون سا شریر ہے، کون سا محتج ہے، کون سا بدشوق ہے، کون سا غبی ہے، کون سا ذہین ہے، کون سا بچہ پیار سے پڑھنے والا ہے، کون سا ڈانٹ ڈپٹ سے پڑھنے والا ہے، کون سا بچہ مار سے پڑھنے والا ہے۔ ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر بچے کے ساتھ اس کے مزاج، ذہن اور شوق کے مطابق معاملہ کیا جائے۔

اس بات کو ذرا وضاحت سے سمجھئے۔ مثال کے طور پر ایک ایسا بچہ جو محتج ہے عادات کے لحاظ سے نیک ہے، کسی وجہ سے ایک دن سبق نہیں سنا سکا، یا ایک دو دن اس کی منزل کا کام نامکمل رہا، اب اس بچے کو استاذ نے مارا اور تھپی کی تو یہ بچہ بگڑ جائے گا۔ شیطان اس کے دل میں غلط قسم کے وسوسے ڈالے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پڑھائی ہی سے متنفر ہو جائے۔

اسی طرح ایک بچہ جو عادتاً شریر ہے اور دماغی لحاظ سے بھی بہتر نہیں، محنت کرانے کے باوجود سبق یاد نہیں کرتا، تو پہلے اس کی ذہنی تربیت کی جائے، اسے سمجھایا جائے، اس کے بعد ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ اگر تب بھی وہ اپنی سابقہ روش برقرار رکھے تو اس کو معمولی سرزنش کی جائے اور یہ بھی اس حد تک ہو جو اس کو راہ راست پر لانے کے لیے کافی ہو، استاذ بے جا زیادتی نہ کرے کہ وہ گھبرا کر متنفر ہو جائے اور سلسلہ پڑھائی کو موقوف کر دے۔

اب ایک لڑکا جو بالکل غبی ہے، اس کی حالت زار سے گھبرا ئے نہیں۔ جب آپ دیکھیں کہ وہ ایک صفحہ کی بجائے آدھا صفحہ سبق یاد کرتا ہے تو اسے اتنا ہی یاد کرنے دیں۔ اگر سبق زیادہ کرنا بھی ہو تو پندرہ بیس دن کے بعد ایک ایک سطر زیادہ کرتے جائیں، اور یہ بھی اس صورت میں ہو جب وہ اس اضافے کو ذہنی طور پر قبول کر لے۔

اگر لڑکا شریر ہے، اپنا کام پورا نہیں کرتا، تو سرزنش سے پہلے اس کے والدین سے رابطہ کیا جائے اور ان کو اس کی حالت بتائی جائے۔ اگر وہ بھی اس بات سے اتفاق کریں کہ اس بچے کو سزا دی جائے تب اس کو

جسمانی سزا دیں۔ اس طرح سے اس کی تعلیمی حالت ان شاء اللہ درست ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ سمجھانے کا عمل بھی برابر جاری رکھیں۔ جسمانی سزا اور پند و نصائح کو باہم مربوط کر کے اس کی ذہنی و تعلیمی تربیت کریں کہ وہ آپ کی طرف سے دی جانے والی سزا کو بخوشی قبول کر لے۔ ورنہ پند و نصائح کو چھوڑ کر صرف مار پر زور دیا تو ہو سکتا ہے کہ بچہ استاذ سے متنفر ہو جائے اور اس کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ جائے کہ استاذ میرا خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہے۔ [ص: ۳۱]

الغرض جناب قاری صاحب محترم نے اپنی مذکورہ بالا تالیف میں فن تدریس حفظ القرآن سے متعلق بڑے اہم اہم موضوعات کو جمع فرمایا ہے۔ چاہیے کہ اس میدان تدریس کے نو وارد اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں بلکہ انتظامیہ مساجد و مدارس اپنے معلمین کو اس کتاب یا اس کے علاوہ کسی اور مناسب کتاب کو اپنے مطالعہ میں رکھنے اور مفید تعلیمات کو اپنے عمل میں لانے کا پابند بنائے۔

آخر میں میں اپنے ان محترم شدت پسند اساتذہ سے پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ کیا آپ کا مکا، چھڑایا ڈنڈا بچے کے حافظے میں کوئی اضافہ کر دیتا ہے؟ یا اس کے حافظے میں سے پہلے کے محفوظات کو بھی اڑا دینے کا باعث بنتا ہے۔

اور اس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ استاذ اپنی جماعت اور طلبا کے لیے بہترین معلم اور مودب ہے۔ اس کے حسن سلوک اور حسن تدریس سے طلبا کا حال اور مستقبل بہترین، پاکیزہ اور مضبوط بننا چاہیے۔ وہ ان کے لیے حسن خلق کا بہترین نمونہ ہو، اتنا نرم اور غیر موثر بھی نہ ہو کہ وہ اس کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ جانیں اور نہ اتنا سخت اور متشدد ہی ہو کہ خوف اور دہشت کی علامت قرار پائے۔ (خیر الامور اوسطھا) استاذ طلبا کی عزت نفس اور خودداری کا محافظ ہو اور انھیں جہد مسلسل کا قابل عمل اسلوب سکھائے اور اس کا عادی بنائے اور غفودرگزر کا عملی سبق بھی دینے والا ہو۔

وما أريد الا الإصلاح والتوفيق بيد الله تعالى



# اسلامی مہینے اور ان کا تعارف ①

مولانا محمد ارشد کمال

المرجّب، ⑧ شعبان المعظم، ⑨ رمضان المبارك، ⑩ شوال المکرم، ⑪ ذو القعدة، ⑫ ذو الحجة۔

امام فراء کہتے ہیں کہ جاہلیت میں عرب لوگ شعبان کو ”عاذل“ رمضان کو ”ناتق“ شوال کو ”وَعِل“ ذو القعدة کو ”وَرْنَة“ ذوالحجہ کو ”بُرْك“ محرم کو ”مؤتمر“ صفر کو ”ناجر“ ربیع الاول کو ”خَوَان“ ربیع الآخر کو ”وَبْصَان“ رجب کو ”الاصم“ جمادی الاول کو ”رُنْی“ اور جمادی الآخر کو ”حنین“ بھی کہتے تھے۔ [تہذیب اللغة: ۱/ ۲۶۳]

ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ بات بھی ابتداءً آفرینش عالم سے ہے۔ لہذا اسلامی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ ان مہینوں میں ان کی حرمت و تقدس کا خیال رکھتے ہوئے ہر قسم کی قتل و غارت، دُکا فساد اور جنگ و جدال سے دور رہنا چاہیے، جب کہ دین اسلام میں ہر لحاظ سے استقامت و اعتدال کا فرما ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے خود کو دور رکھیں، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی ناراضی کا سبب ہے۔ ہاں جب یہ حرمت والے مہینے گزر جائیں تو پھر مشرکوں کے ساتھ جنگ کے لیے ہر وقت خود کو تیار رکھیں اور پوری تیاری کے ساتھ گھروں سے نکلیں، اُن میں سے کوئی فرد پیچھے نہ رہے۔ نیز اس حقیقت پر بھی یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو شرک اور دیگر گناہوں سے بچاؤ اختیار کرتے ہیں۔

سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اسلامی ہجری سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہمارے ہاں عیسوی سنہ کے آغاز و اختتام سے تو سب لوگ عموماً آگاہ ہوتے ہیں مگر ہجری تاریخوں اور سنین کا اہتمام تقریباً نہیں ہے۔ اس مضمون میں ہجری مہینوں کا تعارف اور پس منظر پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ لَا فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَمَا فَعَلْتُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ [التوبة: ۳۶/۹]

”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی درست دین ہے، تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑائی کرتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“

اس بات میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، اس میں کمی بیشی نہیں۔ چنانچہ کتاب اللہ یعنی لوح محفوظ میں بھی روزِ اول سے یہی بات مرقوم ہے۔ وہ بارہ مہینے یہ ہیں:

① محرم الحرام، ② صفر المظفر، ③ ربیع الاول، ④ ربیع الثانی، ⑤ جمادی الاول، ⑥ جمادی الثانی، ⑦ رجب

أَجْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۖ وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى  
يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۖ وَمَنْ يَرْتَدِدْ  
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ  
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿البقرة: ٢١٧﴾

”لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت پوچھتے  
ہیں۔ (اُن سے) کہہ دو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔  
لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے  
روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے  
نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، جب کہ فتنہ قتل سے بھی بڑھ  
کر سنگین ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے  
یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے  
مردہ کر دیں، اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ  
جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور  
اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں اور جہنم  
میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اس آیت کی شان نزول کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ  
کے دور میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں  
ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کافر قیدی بنالئے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں  
یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ  
دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے جس پر یہ  
آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ  
ہے۔ لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا یہ خود اس  
سے بھی بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہیں۔ یہ اللہ کے راستے سے اور  
مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انھوں  
نے مجبور کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ  
ہے اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدمی قتل حرمت والے مہینے  
میں ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کی بجائے ان کو اپنا نامہ سیاہ

بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

[تفسیر طبری، زاد المسیر، تفسیر قرطبی، نیز دیکھیں تفسیر احسن البیان]

ان حرمت والے مہینوں میں اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کرنے میں  
پہل کریں تو پھر مسلمانوں کو بھی اپنا بھرپور دفاع کرنا چاہیے جیسا کہ  
قرآن مجید میں ہے:

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتِ قَصَاصٌ ۚ  
فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ  
عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾  
[البقرة: ۱۹۴]

”حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں  
اور حرمتیں اُدلے بدلے کی ہیں، جو تم پر زیادتی کرے تم بھی  
اس پر اسی کی مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے  
رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“  
مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ حرمت والے مہینے کی حرمت کو ملحوظ  
رکھیں بشرطیکہ کفار بھی اس کی حرمت کو ملحوظ رکھیں۔ کیوں کہ یہ حرمتیں  
درحقیقت بدلے ہی میں ملحوظ رکھی جاسکتی ہیں۔ اگر کافر حرمت والے مہینے  
کا لحاظ کر کے جنگ بند کر دیں تو مسلمانوں پر بھی فرض ہے کہ وہ بھی اس  
مہینے کی حرمت کا لحاظ کریں اور جنگ نہ کریں۔ لیکن اگر کفار حرمت والے  
مہینے کی حرمت کا لحاظ نہ کریں اور جنگ شروع کر دیں یا جاری رکھیں تو پھر  
مجبوراً مسلمان بھی جنگ کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی حالت میں  
مسلمان جنگ نہ کریں تو کیا کریں؟ اللہ تعالیٰ کی اگر اس رعایت کے  
ماتحت مسلمان کفار کے مقابلے میں جوابی کارروائی کرتے ہیں تو اس سے  
ماہ حرام کی حرمت پامال نہیں ہوگی۔ حرمت پامال تو اس وقت ہوگی جب  
اس ماہ میں قصداً جنگ کی ابتدا کی جائے۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے  
اپنا دفاع کرنا حرمت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ اجازت بڑی حکمت  
پر مبنی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے ہر قانون میں حکمت ہی  
حکمت ہے۔

اب یہاں چلتے چلتے ضمناً ایک نکتہ بھی بیان کیے دیتے ہیں امید



ہے کہ طالبان حق کے لیے نفع مند ثابت ہوگا۔ وہ یہ کہ قرآن مجید میں یہ بات تو ہے کہ حرمت والے مہینے چار ہیں لیکن یہ کہیں بھی نہیں کہ وہ کون کون سے ہیں ان کے نام کیا ہیں؟ تو لا محالہ ہمیں حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ حدیث میں ان مہینوں کے نام موجود ہیں۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح کے لیے حدیث پاک کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا:

«إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ - السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ: ثَلَاثُ مُسَوِّيَاتٍ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمَحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جَمَادَى وَشَعْبَانَ» [بخاری، رقم: ۴۶۶۲]

”دیکھو زمانہ پھر اپنی پہلی اسی حالت پر آ گیا ہے جس پر اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں تین تو لگاتار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جب کہ چوتھا مہینہ رجب مضر ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان میں پڑتا ہے۔“

تین مہینے لگاتار اور چوتھا اکیلا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وإنما كانت الأشهر المحرمة الأربعة، ثلاثة سرّ وواحد فرد لأجل اداء مناسك الحج والعمرة فحرم قبل شهر الحج شهر وهو ذو القعدة لأنهم يقعدون فيه عن القتال وحرم شهر ذى الحجة لأنهم يوقعون فيه الحج ويشغلون فيه باداء المناسك وحرم بعده شهر آخر وهو المحرم ليرجعوا فيه الى نائى اقصى بلادهم آمنين وحرم رجب فى وسط الحول لأجل زيارة البيت والاعتماد به لمن يقدم إليه من اقصى جزيرة العرب فيزوره ثم يعود إلى وطنه فيه آمنا - [تفسير ابن كثير: ۱/۴۸۸]

”دراصل حرمت والے مہینے چار ہیں تین لگاتار اور ایک اکیلا تاکہ حج اور عمرہ کے مناسک کی ادائیگی ہو سکے۔ ایک مہینہ حج سے پہلے آتا ہے یعنی ذی القعدہ کیوں کہ اس میں عرب لوگ جنگ بند کر دیا کرتے تھے اور حج کا مہینہ بھی حرمت والا ہے کیوں کہ اس میں لوگ حج کرتے تھے پھر اس کے بعد ایک اور مہینہ محرم کا بھی حرمت والا قرار پایا تاکہ حج کرنے والے امن وامان سے اپنے وطنوں کو لوٹ سکیں۔ پھر سال کے درمیان میں ایک اور مہینہ حرمت والا قرار دیا تاکہ وہ عمرہ اور زیارت بیت اللہ کے لیے امن وامان سے آسکیں اور پھر زیارت کر کے اسی امن وامان میں واپس لوٹ سکیں۔“

ہمارے اسلامی سال کا آغاز بھی حرمت والے یعنی محرم الحرام اور اختتام بھی حرمت والے مہینے یعنی ذی الحجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں بھی انسانیت کے لیے امن و سلامتی کا پیغام ہے کہ سال کی ابتدا اور انتہا امن و سلامتی سے ہو۔

اب آتے ہیں اسلامی سال کے ان بارہ مہینوں کے تعارف کی طرف جن کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔

### محرم الحرام:

محرم اسلامی سال کا پہلا قمری مہینہ ہے اس کا تلفظ یوں ہے: م، مضموم (م)، ح مفتوح (ح) اور ر مشدّد مفتوح (ر) ہے۔ بسا اوقات یہ معرف باللام بھی استعمال ہوتا ہے یعنی الحرم اسی بنا پر اس کی صفت الحرام بھی معرفہ آتی ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ مذکر ہی استعمال ہوتا ہے۔ محرم دراصل باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کی جمع محرمات، محارم، اور محاریم ہے۔ اس کا مادہ ح، ر، م ہے۔

عربی لغت میں اس کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے زیادہ معروف حرام، معزز، محترم، حرمت والا کے ہیں۔ تو محرم الحرام کا معنی یہ ہوا کہ وہ انتہائی قابل احترام مہینا جس میں لڑائی جھگڑا حرام ہے۔

دور جاہلیت میں محرم کا نام معروف نہیں تھا بلکہ اسے اور صفر کو

”صفرین“ کہا جاتا تھا یعنی محرم کو صفر الاول اور صفر کو صفر الثانی جیسے ربیع الاول اور ربیع الثانی ہے۔ اسی لیے وہ لوگ کبھی اسے لڑائی کے لیے حرام سمجھتے تھے اور کبھی حلال اور اس کی جگہ صفر کو حرمت والا قرار دیتے۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے ان کی اس غلط رسم کو باطل قرار دیتے ہوئے اس کا خاتمہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام المحرم رکھا جیسا کہ حدیث میں ہے اور پھر وہاں سے اس کا نام محرم معروف ہوا۔

[دیکھیں حاشیہ الشارح فی علم التاریخ للسیوطی، حاشیہ نمبر: ۱۸۹] اس نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ علم الدین سخاوی اپنی کتاب ”المشہور فی اسماء الایام والشہور“ میں لکھتے ہیں:

لن المحرم سمي بذلك لكونه شهرا محرما،  
وعندی أنه سمي بذلك تأكيدا لتحريمه لأن  
العرب كانت تتقلب به فتحله عاما وتحرمه عاما۔  
”محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ اس کی حرمت کی تاکید ہے۔ کیوں کہ عرب لوگ دور جاہلیت میں اسے بدلتے رہتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے تھے اور کبھی حرام کر ڈالتے۔“

### محرم الحرام کی فضیلت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَفْضَلُ الصَّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ »

[مسلم، رقم: ۱۱۶۳]

”رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔“

اس روایت میں ماہ محرم کو تشریفاً شہر اللہ (اللہ کا مہینا) کہا گیا ہے تاکہ اس کی عظمت اور شرف واضح ہو جیسے کعبہ کو بیت اللہ، سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ، کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔

یوم عاشوراء: یوم عاشوراء محرم الحرام کے دسویں دن کو کہا جاتا ہے۔ اس دن کی فضیلت میں اگرچہ عوام کا لانا عام میں بہت ساری باتیں

مشہور ہیں۔ تاہم صحیح روایات سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ

○..... اس دن موسیٰ علیہ علی مینا افضل الصلوٰات والتسلیمات اور بنی اسرائیل کو نجات ملی اور فرعون اور اس کا لشکر پانی میں غرق ہوا۔

○..... یہ نیک دن ہے۔

○..... موسیٰ علیہ السلام اس روز اللہ کے لیے شکرانے کا روزہ رکھتے

تھے۔ [بخاری، رقم: ۳۳۹۴، ۲۰۰۴]

○..... یہود بھی اس دن موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں روزہ رکھتے۔

○..... اسے عید تصور کرتے اس لیے ان کی عورتیں اس روز

خصوصی طور پر زیورات وغیرہ پہن کر خوشیاں مناتیں۔ [مسلم، رقم: ۱۱۳۱]

○..... قریش مکہ بھی دور جاہلیت میں اس دن کا روزہ رکھتے

تھے۔ [بخاری، رقم: ۲۰۰۲]

○..... نبی ﷺ بھی اس دن مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم

دیتے۔ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے اس کے

روزے میں اختیار دے دیا۔ [بخاری، رقم: ۲۰۰۱]

○..... اس دن کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن

جاتا ہے۔

○..... نبی ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم دیا لیکن

جب آپ کو پتا چلا کہ یہود بھی اس دن تعظیماً روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے

فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ رکھوں گا۔

[مسلم، رقم: ۱۱۳۳]

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے دس محرم کا روزہ رکھا اور یہود کی مخالفت

کے لیے نو محرم کے روزے کی خواہش کی۔ لہذا ہمیں نو اور دس محرم کے دو

روزے رکھنے چاہئیں تاکہ آپ ﷺ کی قولی و فعلی سب نیتوں پر عمل

ہو جائے۔ کیوں کہ اصل روزہ تو یوم عاشوراء یعنی دس محرم کا ہی ہے نو محرم

کا تو صرف یہود کی مخالفت کے لیے تھا۔ نیز مصنف عبدالرزاق:

۴/۲۸۷، سنن الکبریٰ بیہقی: ۴/۲۸۷ میں بسند صحیح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

فتویٰ ہے کہ یہود کی مخالفت کرو، نو اور دس محرم کا روزہ رکھو۔

### محرم الحرام کے متعلق غلط نظریات اور ان کا جائزہ:

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ محرم الحرام کی اس فضیلت کا

باعث سیدنا حسین بن علیؑ کی شہادت ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیوں کہ

①..... اس مہینے کی فضیلت کا سیدنا حسین کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ دین اسلام سیدنا حسینؑ کی شہادت سے تقریباً نصف صدی قبل ہی مکمل ہو چکا تھا۔

②..... کتاب وسنت میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ شہادت حسینؑ محرم کی فضیلت کا باعث ہے۔

③..... افسوس کہ ایک طرف تو شہادت حسینؑ کو محرم کی فضیلت کا سبب سمجھا جاتا ہے اور دوسری طرف اسی مہینے کو منحوس شمار کیا جاتا ہے۔ فیا للعجب

④..... سیدنا حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کے علاوہ شہادت سیدنا عمر فاروقؓ بھی محرم کے اہم واقعات میں سے ہے تاہم یہ اس کی فضیلت کا باعث ہرگز نہیں۔

⑤..... اگر محض شہادت ہی کسی مہینے یا دن کی فضیلت کا باعث ہے تو دیگر اصحاب رسول کی جن ماہ وایام میں شہادتیں ہوئیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

بعض لوگ محرم الحرام کو سوگ کا مہینا قرار دیتے ہیں اور بالخصوص یوم عاشوراء کو۔ اسی لیے اس میں شادی یا کوئی اور خوشی کا کام کرنا ان کے

نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ حالاں کہ اگر یہ مہینا واقعی سوگ کا ہے تو پھر

①..... اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں اس سے کیوں آگاہ نہ کیا؟

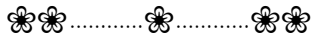
②..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیں اس کی خبر کیوں نہ دی؟

③..... اگر شہادت کسی مہینے یا دن کے سوگ کا باعث ہے تو دیگر

اصحاب رسول ﷺ کی جن ماہ وایام میں شہادتیں ہوئیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

④..... یہ بھی یاد رہے کہ احکام شریعت کے مطابق سوگ کا تعلق عورتوں سے ہے نہ کہ مردوں سے، اور پھر تین دن سے زیادہ سوگ منانا شریعت محمدی میں جائز نہیں سوائے اس عورت کے جس کا خاندان فوت ہو جائے۔

ایک طرف تو ان لوگوں کی یہ صورت حال ہے جب کہ دوسری طرف جب پیٹ کا معاملہ آتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس دن سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اس کا روزہ رکھا جاتا اور گزشتہ سال کے گناہ معاف کروانے کا جو سنہری موقع ملا تھا اس سے فائدہ اٹھایا جاتا اس کے بجائے اس دن کو کھانے پینے کا ذریعہ بنالیا۔ لہذا کھانے پینے کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ خصوصی ڈشیں تیار کی جاتی ہیں، پانی اور دودھ کی سیلیں لگائی جاتی ہیں اور سنت رسول کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ [جاری ہے]



تمام امت مسلمہ کو

ہجری سال ۱۴۳۰ کا آغاز

**مبارک ہو**

اللہ کرے کہ امت اپنے دینی افتخار اور عزت رفتہ کی بحالی کے لیے اٹھ کھڑی ہو، اور پھر سے اقبال و فتح مندی کا سفر شروع کر دے، آمین۔

**ضرورت برائے خطیب و امام**

مرکزی جامع مسجد مبارک اہل حدیث و ہاڑی کے لیے ایک مستند، شادی شدہ عالم باعمل، خوش الحان خطیب (اردو) کی فوری ضرورت ہے، جو درس قرآن و حدیث میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ معقول تنخواہ، رہائش مہیا کی جائے گی۔ امیدوار اپنے کوائف، شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور تزکیہ ارسال فرمائیں۔ برائے رابطہ

(۱) حاجی تاج دین صاحب صدر انجمن، مبارک مسجد اہل حدیث و ہاڑی

فون: 0300-7721205/067-3361105

(۲) مختار احمد بھٹی، فون: 0300-7723277/067-3362103

(۳) پروفیسر محمد حسین آزاد 0333-6554100

## ایک مثالی شخصیت

# شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبا ز رحمۃ اللہ

عبدالرشید عراقی

مولانا جانبا ز اس دورِ قحط الرجال میں عام مسلمانوں کے لیے اور خاص کر جماعت اہل حدیث کے لیے گوہرِ شب چراغ اور اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے۔ ان کی رحلت سے جماعت اہل حدیث میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ مولانا جانبا ز جیسی نابغہ روزگار اور نادر ہستیاں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں جو کتاب و سنت کی اشاعت اور فروغ میں دیوانہ وار مصروف ہوں۔

اب نہ آئے گا نظر ایسا کمالِ علم و فن  
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجالِ علم و فن  
مولانا محمد علی جانبا ز انتہائی متکسر المزاج، دور اندیش اور تعمیری فکر رکھنے والے انسان تھے۔ ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جامعہ رحمانیہ (سابقہ ابراہیمیہ) کا قیام ہے۔ جس نے ملک کو سنجیدہ اور اچھے لکھنے والے اور خطیب دیئے۔

مولانا محمد علی جانبا ز کی رحلت ”موت العالم موت العالم“ کی مصداق ہے۔ وہ بیک وقت ایک عالم دین بھی تھے، مدرس بھی تھے، مفتی بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم و بصیرت سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لکھنے اور بولنے کی صلاحیت دی تھی۔ آپ اخلاق و شرافت کا مجسمہ اور علم و حلم کے پیکر تھے۔ بڑے متواضع، زاہد و عابد تھے۔ اتباع سنت میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ بڑے خوددار اور صابر و شاکر تھے۔ جاہ و ریاست کی کبھی خواہش نہیں کی۔ بہت خلیق اور ملنسار تھے۔ میرا ان سے تعلق ۱۹۸۰ء سے تھا۔ ہر ماہ دو ماہ بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ بڑی محبت اور شفقت سے ملتے اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبا ز رحمۃ اللہ ۱۳ دسمبر ۲۰۰۸ء مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ بروز ہفتہ رات آٹھ بجے سیالکوٹ میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا جانبا ز نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کی نشر و اشاعت، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج اور حفاظت اور شرک و بدعت و محدثات کی تردید و توثیق اور ادیان باطلہ کے رد میں وقف کر دی تھی۔

مولانا جانبا ز علوم اسلامیہ کے بحرِ خاں تھے۔ وہ بیک وقت مفسر بھی تھے۔ اور محدث بھی، مورخ بھی تھے، اور محقق بھی، مصنف بھی تھے۔ اور صحافی بھی، دانشور بھی تھے۔ اور نقاد بھی، ادیب بھی تھے۔ اور مبصر بھی، معلم بھی تھے۔ اور متکلم بھی، مقرر بھی تھے۔ اور واعظ بھی، اور سب سے بڑھ کر آپ جماعت اہل حدیث کے مفتی بھی تھے۔

مولانا جانبا ز مرحوم اسلامی تاریخ کے اُن علمائے سلف کی ایک زندہ یادگار تھے۔ جو مسلمانوں کے عروج و زوال کے رموز سے آگاہ ہو چکے تھے۔ مولانا جانبا ز راہنہ فی العلم میں سے تھے۔ جن کی مثال کم ملتی ہے۔ مولانا پاکستان کے ان چند منتخب اور مختص علماء میں شامل تھے۔ جنہیں علوم اسلامیہ پر سوخ حاصل تھا اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو تفسیر میں، حدیث میں، تاریخ میں، اسماء الرجال میں اور فقہ میں جو عبور کامل تھا وہ شاید کسی اور عالم کو اتنا ورک حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حمیت دینی کا جو جو عطا فرمایا تھا وہ کم لوگوں کو ملتا ہے۔ مولانا دینی غیرت و حمیت سے مالا مال تھے۔ مولانا کا حدیث، اسماء الرجال اور تاریخ پر گہرا مطالعہ تھا اور ان فنون کی کتابوں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔

میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک باطن، ایسا دور اندیش، ایسا فیاض، ایسا سادہ مزاج، ایسا مستقل مزاج، خوش اخلاق، شیریں گفتار، باغ و بہار، آدمی نہیں دیکھا۔

مولانا جانناز کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ صفت ہے جس کی مثال شاید اس زمانے میں ناپید ہے۔ آپ ایک شب زندہ دار بزرگ بھی تھے اور عالم باعمل بھی، اور بے مثال اہل قلم بھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی دینی فہم بھی عطا کی تھی اور دنیاوی شعور بھی۔ آپ پاکیزہ اخلاق کے مجسمہ بھی تھے اور سب سے بڑھ کر کہ آپ کے کردار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کی پوری جھلک دکھائی دیتی تھی۔

مولانا جانناز کی ذات گرامی قدیم روایات صالحہ کی قیمتی یادگار تھی۔ عالمانہ تہذیب و شائستگی کی ایک فلک بوس عمارت آپ کے انتقال سے زمین پر آ رہی جو بڑی دلکش، بڑی بلند اور قابل حفاظت تھی۔ ان کی رحلت سے جماعت اہل حدیث ایک مخلص اور جید عالم دین سے محروم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں اے لئیم  
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

### مسکن ومولد:

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانناز ۱۹۲۴ء میں مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کے قصبہ چک بدھو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حاجی نظام الدین تھا اور راجپوت وٹو برادری سے تعلق تھا۔

### ابتدائی تعلیم:

تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے آپ نے قصبہ سے کیا۔ قرآن مجید میں آپ کے استاد مولانا محمد تھے جو دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فارغ التحصیل تھے۔ قرآن مجید کے علاوہ ابتدائی دینی کتابیں بھی مولانا محمد سے پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا محمد کی ترغیب سے آپ مدرسہ راجووال تشریف لائے جہاں آپ تین ماہ زیر تعلیم رہے۔

### مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا:

۱۹۵۱ء میں مولانا جانناز صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی رضی اللہ عنہ کے

مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا میں داخل ہو گئے اور اس مدرسہ میں آپ نے دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ اوڈاں والا میں آپ کے اساتذہ مولانا محمد صادق خلیل اور مولانا پیر محمد یعقوب قریشی تھے۔

### وزیر آباد میں:

۱۹۵۲ء میں آپ وزیر آباد تشریف لائے اور دارالحدیث منانیہ میں مولانا عبداللہ مظفر گڑھی سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ اس کے ساتھ آپ مولانا محمد رمضان سندھی جن کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے تھا اور جامع مسجد حنفیہ میں بازار وزیر آباد میں خطیب تھے۔ اُن سے مقامات حریری اور شرح تہذیب کا درس لیا۔

۱۹۵۲ء میں قادیانی تحریک چلی۔ علمائے کرام حکومت کے خلاف تقریریں کرتے تھے اور اپنی گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا لیکن چھ گھنٹے حراست میں رکھ کر رہا کر دیا گیا۔

### جامعہ اسلامیہ گوجراں والا میں:

۱۹۵۳ء میں آپ وزیر آباد سے جامعہ اسلامیہ گوجراں والا آ گئے۔ اس وقت جامعہ اسلامیہ میں حضرت العلام شیخ العرب والعم حافظ محمد محدث گوندلوی رضی اللہ عنہ شیخ الحدیث تھے اور مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی نائب شیخ الحدیث تھے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل ان دونوں علمائے کرام سے کی۔ مولانا فاروق احمد صاحب راشدی اور مولانا عطاء الرحمن اشرف آپ کے ہم درس تھے۔

### جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں:

۱۹۵۵ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا قیام عمل میں آیا۔ اور ۱۹۵۸ء میں جامعہ سلفیہ اپنی بلڈنگ میں منتقل ہوا اور حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی رضی اللہ عنہ کو جامعہ سلفیہ کا صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ تو مولانا جانناز نے جامعہ سلفیہ میں داخلہ لے لیا اور حضرت محدث گوندلوی رضی اللہ عنہ سے دوبارہ صحیح بخاری، موطا امام مالک اور حجتہ اللہ البالغہ کا درس لیا۔

ان کے علاوہ آپ نے جامعہ سلفیہ میں مولانا شریف اللہ خان سواتی اور مولانا غلام احمد حریری سے بھی بعض درسی کتابیں پڑھیں۔

## اساتذہ کرام:

مولانا جانباڑ نے مختلف اوقات میں جن علمائے کرام سے اکتساب فیض کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

- ①..... مولانا محمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ
- ②..... مولانا محمد صادق خلیل رحمۃ اللہ علیہ
- ③..... مولانا پیر محمد یعقوب قریشی رحمۃ اللہ علیہ
- ④..... مولانا عبد اللہ مظفر گڑھی رحمۃ اللہ علیہ
- ⑤..... مولانا ابوالبرکات احمد مدداسی رحمۃ اللہ علیہ
- ⑥..... مولانا پروین سر غلام احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ
- ⑦..... مولانا شریف اللہ خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ
- ⑧..... حضرت العلامة شیخ العرب والجم حافظ محمد محدث گوندلوی

## فراغت تعلیم:

۱۹۵۷ء میں جامعہ اسلامیہ گوجراں والا سے فارغ ہوئے اور ۱۹۵۸ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے سند فراغت حاصل کی۔

## تدریس:

۱۹۵۹ء میں مولانا محمد اسحاق چیمہ جامعہ سلفیہ کے مہتمم تھے۔ ان کی سفارش شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی نے آپ کو جامعہ سلفیہ میں استاد مقرر کیا اور اس کے ساتھ جامعہ سلفیہ کی لائبریری کی فہرست مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اور علاوہ اس کے اساتذہ کی تنخواہیں اور دیگر جملہ انتظامی امور بھی آپ کے سپرد تھے۔ جامعہ سلفیہ میں آپ ۱۹۶۲ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

## سیالکوٹ آمد:

۱۹۶۲ء میں مولانا جانباڑ مولانا حافظ محمد شریف مرحوم کی درخواست پر سیالکوٹ تشریف لائے اور جامع مسجد اہل حدیث ڈپٹی باغ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ایک سال تک آپ مسجد ڈپٹی باغ میں تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ مسجد اہل حدیث میانہ پورہ تشریف لے گئے۔

## جامعہ ابراہیمیہ کا قیام:

۱۹۶۳ء میں مسجد اہل حدیث میانہ پورہ میں جامعہ ابراہیمیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس مدرسہ کے قائم کرنے میں حاجی خدا بخش مرحوم پیش پیش تھے اور مدرسہ کے تمام اخراجات حاجی صاحب خود برداشت کرتے تھے۔ اس مدرسہ (جامعہ ابراہیمیہ) کا صدر مدرس مولانا جانباڑ کو مقرر کیا گیا اور مولانا عطاء الرحمن اشرف صاحب کو نائب مدرس مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں حاجی خدا بخش مرحوم نے مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے سے انکار کر دیا اور مدرسہ بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

## جامع مسجد اہل حدیث ناصر روڈ:

میانہ پورہ میں مدرسہ بند ہونے کے بعد مولانا جانباڑ جامع مسجد اہل حدیث ناصر روڈ منتقل ہو گئے اور اس مسجد میں جامعہ ابراہیمیہ کے زیر اہتمام مولانا عطاء الرحمن اشرف کے تعاون سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ۱۹۷۹ء تک یہ دونوں علمائے کرام اسی مسجد میں تدریس فرماتے رہے۔

## جامعہ ابراہیمیہ اپنی بلڈنگ میں:

جامع مسجد اہل حدیث ناصر روڈ میں تشریف لانے کے بعد مولانا جانباڑ نے علیحدہ مدرسہ کی بلڈنگ کی تعمیر کے لیے کوشش شروع کر دی تھی۔ چنانچہ پہلے زمین خریدی گئی اور اس کے بعد ساتھ ساتھ تعمیر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں تعمیر مکمل ہو گئی اور مدرسہ اپنی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا۔ حضرت العلامة حافظ محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے افتتاح کیا اور سنگ بنیاد رکھا۔ اسی سال تقریب صحیح بخاری ہوئی۔ حضرت محدث گوندلوی نے آخری حدیث کا درس دیا اور سیرت امام بخاری پر شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر نے بڑی جامع و علمی تقریر ایرشاد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ (اب اس مدرسہ کا نام بعض وجوہ کی بنا پر جامعہ ابراہیمیہ کی بجائے جامعہ رحمانیہ ہو گیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔)

## فطری مواہب اور ذاتی خصوصیات:

اخلاق و عادات کے اعتبار سے مولانا جانباڑ نہایت پاکیزہ انسان

### تصانیف:

مولانا جانناز عربی واردو کے بلند پایہ مصنف تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

- (۱)..... اہمیت نماز۔ (۲)..... صلوٰۃ مصطفیٰ ﷺ
- (۳)..... معراج مصطفیٰ (۴)..... آل مصطفیٰ ﷺ
- (۵)..... احکام سفر۔ (۶)..... حرمت متعہ۔ (۷)..... عورت کا سیاست میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت۔ (۸)..... نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر۔ (۹)..... احکام دعا و توسل۔ (۱۰)..... ارکان اسلام۔ (۱۱)..... توہین رسالت کی شرعی سزا۔ (۱۲)..... تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ۔ (۱۳)..... دوران خطبہ دور کعت پڑھنے کا حکم۔ (۱۴)..... صفات المؤمنین۔ (۱۵)..... احکام نکاح۔ (۱۶)..... احکام عدت۔ (۱۷)..... حرمت متعہ بجواب حلت متعہ۔ (۱۸)..... احکام طلاق۔ (۱۹)..... اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت (۲۰)..... احکام وقف و ہبہ۔ (۲۱)..... رزق حلال اور رشوت۔ (۲۲)..... احکام قسم و نذر۔ (۲۳)..... مشورہ اور استخارہ کی شرعی حیثیت۔ (۲۴)..... اسلام میں ووٹ کی شرعی حیثیت۔ (۲۵)..... تحریک پاکستان اور موجودہ حکم ران۔ (۲۶)..... شرح اربعین ابراہیمی۔ (۲۷)..... شرح اربعین ثنائیہ۔ (۲۸)..... رمضان کیسے گزاریں۔ (۲۹)..... شرح نخبۃ الاحادیث از مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔ (۳۰)..... انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ (عربی، ۱۲ جلد) (مولانا جانناز کی تصانیف کا اجمالی تذکرہ ان شاء اللہ العزیز علیحدہ مضمون میں کیا جائے گا۔)

### علالت اور وفات:

مولانا جانناز ۱۹۰۷ء کے شروع سے ہی علیل چلے آ رہے تھے۔ لیکن علاج سے انھیں خاص افاقہ ہو گیا تھا۔ جامعہ رحمانیہ میں باقاعدہ آنا شروع کر دیا تھا اور تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ رمضان ۱۴۲۹ھ شروع ہوا تو مولانا نے روزے رکھنا شروع کر دیئے۔ صرف گیارہ روزے رکھے تو دوبارہ بیماری کا حملہ ہوا۔ پہلے سیالکوٹ ہسپتال

تھے۔ عزت، شرافت، قناعت اور وجاہت ان کی سیرت کا جوہر خاص تھی۔ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور شائستگی اخلاق میں سلف صالحین اور علمائے ربانین کے اوصاف کے حامل تھے۔ اتباع سنت میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

مولانا جانناز قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر، درد مند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا تھا۔ ذہن و ذکاوت کے ساتھ غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ علمی و دینی مسائل کی تحقیق میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، حافظ ابن حجر، امام شوکانی اور مولانا سید نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف کے شیدائی تھے۔ علمائے اہل حدیث میں مولانا شمس الحق ڈیانونی، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری، شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حضرت العلامة مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہم سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان علمائے کرام کی دینی و علمی اور قومی و ملی خدمات کے بہت زیادہ معترف تھے۔ اپنے اساتذہ میں حضرت العلامة محدث گوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد کے علم و فضل کے بہت زیادہ معترف تھے اور ان ہر دو علمائے کرام کا تذکرہ بڑی عقیدت اور محبت سے کرتے تھے۔

دور حاضر کے علماء میں مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی اور مولانا فاروق الراشدی کے علم و فضل اور ان کی علمی و دینی خدمات کے بہت زیادہ معترف تھے۔

مولانا جانناز کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ شروع ہی سے سادہ لباس استعمال کرتے تھے۔ آپ نمائش سے سخت نفرت کرتے تھے۔

میں زیر علاج رہے۔ بعد میں لاہور ہسپتال میں بھی داخل کرادیئے گئے لیکن ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چناں چہ مولانا کو سیالکوٹ واپس لایا گیا۔ دوائیاں استعمال کرتے رہے لیکن کمزوری میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔

راقم وفات سے تین ہفتہ قبل عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ اتفاق سے مولانا عارف جاوید محمدی (کویت) صاحب بھی تشریف لائے۔ مولانا کے صاحبزادہ پروفیسر عبدالعظیم نے تکیہ کے سہارا سے بٹھایا۔ مولانا عارف جاوید صاحب اور راقم سے مصافحہ کیا اور خیریت دریافت کی۔ راقم نے عرض کیا کہ آپ کو یہ تکلیف روزوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ فرمایا: صرف گیارہ روزے رکھے تھے۔

اس کے بعد مولانا عارف جاوید سے فرمایا کہ میں مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کا رسالہ ”خیر المامون“ (جو دو جلدوں میں ہے) چھپوانا چاہتا ہوں۔ اس کی دوسری جلد میں نے کمپوز کرائی ہے۔ پہلی جلد مجھے نہیں مل رہی۔ مجھے کہیں سے اصل کتاب یا اس کی فوٹو کاپی مہیا کرادیں تاکہ میں دونوں جلدیں اکٹھی شائع کروں۔

مولانا عارف جاوید محمدی صاحب نے فرمایا کہ

”مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مولانا مبارکپوری کے (۹)

رسائل اکٹھے ایک جلد میں شائع کر رہے ہیں۔ جس میں ”خیر

المامون“ بھی شامل ہے۔“

مولانا جانباڑ نے فرمایا:

مولانا اثری صاحب بے شک شائع کریں۔ مگر میں بھی یہ

رسالہ ضرور شائع کروں گا۔

مولانا عارف جاوید صاحب نے اسی وقت بیگ سے سی ڈی

(CD) نکال کر مولانا جانباڑ کے حوالے کردی۔ تو بہت خوش ہوئے اور

انہیں دعائیں دیں۔ اس کے بعد محمدی صاحب نے مولانا جانباڑ سے آٹو

گراف لیا۔ اور اپنے بھتیجے حافظ عبدالرحمن صاحب سے فرمایا کہ

انجاز الحلیہ کا مکمل سیٹ (۱۲ جلد) اور میری جو تصانیف اس

وقت موجود ہیں۔ مولانا عارف صاحب کو دی جائیں۔

چناں چہ حافظ عبدالرحمن صاحب انجاز الحلیہ کا مکمل سیٹ اور دوسری تصانیف اندازاً آٹھ عدد مولانا عارف کو لا کر دیں اور انجاز الحلیہ کی پہلی جلد پر اپنے دستخط بھی کیے۔

۲۵ دسمبر ۲۰۰۸ء کو راقم دوبارہ عیادت کے لیے گیا۔ پروفیسر

عبدالعظیم صاحب نے ملاقات کرائی اور انہوں نے سہارا دے کر بٹھایا، دیکھتے رہے۔ لیکن گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد روزانہ ٹیلی فون پر خیریت دریافت کرتا رہا۔ لیکن تسلی بخش جواب نہیں ملتا تھا اور یہی اندازہ ہوتا تھا کہ کسی وقت یہ شمع گل ہو جائے گی۔

ہفتہ کی رات گیارہ بجے حافظ عبدالرحمن صاحب کا ٹیلی فون آیا۔

میں سویا ہوا تھا۔ میرے بیٹے نے ٹیلی فون سنا۔ حافظ صاحب نے

مولانا جانباڑ کی وفات کی اطلاع دی اور دو بجے دوپہر جنازہ کی نماز کا

ذکر کیا۔ مجھے میرے بیٹے نے صبح نماز فجر کے بعد بتایا۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون پڑھا۔

میں اپنے ایک دوست مولانا عبدالعزیز سیال صاحب کے ہمراہ

تقریباً بارہ بجے جامعہ رحمانیہ پہنچ گیا۔ اس وقت مولانا کو غسل دیا جا رہا

تھا۔ مولانا کے صاحبزادگان عبدالحکیم اور عبدالعظیم صاحبان اور بھتیجے حافظ

عبدالرحمن صاحب اور مولانا مرحوم کے دیرینہ رفیق مولانا عطاء الرحمن

اشرف صاحب سے تعزیت کی۔

اس کے بعد نماز ظہر ادا کرنے کے بعد پولیس گراؤنڈ (جہاں نماز

جنازہ ادا ہونی تھی) جنازہ کے ہمراہ گیا۔ گراؤنڈ میں ایک جم غفیر تھا۔ راقم

نے اپنے ساتھی مولانا عبدالعزیز سیال صاحب سے دریافت کیا کہ

آدمیوں کی تعداد کتنی ہوگی تو انہوں نے بتایا کہ دس ہزار کے قریب آدمی

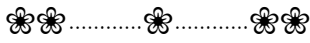
ہوں گے۔

نماز جنازہ پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی برادر اصغر علامہ احسان الہی

شہید نے مولانا جانباڑ کی وصیت کے مطابق پڑھائی اور قبرستان حسین

شاہ میں دفن ہوئے۔

اللهم اغفره وارحمه ومثوالله الجنة الفردوس .





## فہرست کتب

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا محمد صاحب جونگرہی  
م ۳۸۱ د لائل محمدی، ص: ۱۱۲، مکتبہ محمدیہ اردو بازار لاہور اکتوبر  
۱۹۹۶ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد بن احمد سید احمد، مترجم عبدالوہاب خلیل الرحمن  
م ۲۸۱ ن رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت نماز، ص: ۶۴، مرکز  
الدعوة السلفية سدھارتھ نگر یو پی۔ س، ن  
۲۹۷ء ۳۲۱۱ علامہ محمد بن صالح

م ۲۸۱ ن نماز کی اہمیت، ص: ۴۶، اسلامک پبلی کیشنز شاہ عالم  
مارکیٹ لاہور ۱۹۹۶ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد حسن صاحب فیض پوری  
م ۴۰۴ ت تہذیب الاسلام فی جواب تبصرۃ الانام، ص: ۳۰۴، مطبع  
اسلامیہ لاہور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد خان منہاس  
م ۴۱۶ ن نماز، ص: ۷۹، الفوز اکیڈمی اسلام آباد ۱۹۹۹ء  
۲۹۷ء ۳۲۱۱ عبید الرحمن محمدی

م ۵۵۷ ر روح الصلوٰۃ، ص: ۸۷، محمدی دارالاشاعت رفع الیدین  
بعد الافتتاح، ص: ۱۲۵، مرکزی جمعیت اہل حدیث گوجرانوالہ  
س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا مختار احمد ندوی  
م ۵۵۹ ن نماز مسنون، ص: ۴۰، الدار السلفية، بمبئی ۱۹۸۹ء  
۲۹۷ء ۳۲۱۱ مسعود احمد

م ۶۲۲ امام کے دو سکتے، ص: ۳۲، ادارہ مطبوعات اسلامیہ کراچی  
نمبر ۳۸  
۲۹۷ء ۳۲۱۱ مسعود احمد

م ۶۲۲ ایک سلام سے تین وتر جائز نہیں (مع جلسہ استراحت)  
ص: ۱۶، ادارہ مطبوعات اسلامیہ کراچی

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد اسماعیل الشہید دہلوی (مجموعہ کتب)

م ۳۰۴ ت ۱۔ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، ص: ۳۶، ادارہ  
اشاعت السنہ لاہور

۲۔ تجارتی سود اور الربو، محمد یحییٰ  
۳۔ سید العالمین ﷺ کے سایہ اور بشریت کے بارے

میں، مولانا عزیز زبیدی  
۴۔ قرآنی تعویذ بھی باندھنا یا لٹکانا حرام ہے۔ ابو عمر  
عبدالعزیز نورالتانی

۲۹۷ء ۳۲۱۱ پیر محبت اللہ شاہ

م ۲۴۱ ت التحقیق الجلیل فی ان ارسال بعد الركوع فی الصلوٰۃ ہو الحق  
من حیث الدلیل، ص: ۳۱۹، مدرسہ دارالرشاد سعید آباد  
سندھ ۱۹۶۹ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ حافظ محمد

م ۲۸۱ ل انواع محمدی، ص: ۲۳۸، تاجران کتب و مالکان کتب خانہ  
نامی کشمیری بازار لاہور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولوی محمد انصاری

م ۲۸۱ ت تحفۃ المسلمین فی بیان التائین (فی اثبات الجہر بالآمین)  
بر حاشیہ عمدۃ البراہین فی مسئلۃ التائین، مطبع ریاض الاخبار  
کورکھپور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

م ۲۸۱ ت التحقیق الراجح فی ان احادیث رفع الیدین لیس لہا ناخ،  
ص: ۱۹۹، دارالدعوة السلفية شیش محل روڈ لاہور ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۵ء

## توحید باری تعالیٰ کے بارے میں تقریری و تحریری مقابلہ

عقیدہ توحید اعتقادی اور صرف آخرت کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ توحید نظام کائنات کی بقا کی ضامن اور شرک کائنات کے بگاڑ کا سبب ہے۔ توحید ہی دین کی ابتدا اور انتہا ہے باقی ارکان اس کے تقاضے ہیں۔ اس لیے تمام انبیاء اپنی دعوت کی ابتدا عقیدہ توحید سے کیا کرتے تھے۔ یہ جزوقتی دعوت نہیں بلکہ ہمہ وقت اور ہمہ گیر تحریک ہے۔ یہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ **مفت عزیز میں مساجد سے باہر کبھی دفعہ اس تحریک کا آغاز ہوا۔** آپ سے استمداد ہے کہ آپ اپنی اپنی جماعتوں میں رہ کر اخلاقی، تبلیغی تعاون فرمائیں۔ توحید کا شعور اور شرک کے خلاف رائے عامہ بیدار کرنے کے لیے تقریری مقابلہ جات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ایمان کی جنگی اور توحید کی معرفت حاصل کرنے کے لیے عظیم الشان مذاکرہ میں شرکت فرمائیں۔ **زیر صدارت**

حافظ مقصود احمد صاحب خطیب مسجد ہذا

مقام: جامع مسجد شاہ اسماعیل شہید سیکٹر 9/4-ا اسلام آباد نزد پنڈورا چوکی بتاریخ: 11 جنوری بروز اتوار 10 بجے دن

**مفت صاحبان:** مولانا ڈاکٹر سید طالب الرحمن۔ پروفیسر مولانا عبدالرحمن عتیق۔ خصوصی خطاب۔ ڈاکٹر فضل الہی۔ **کونیٹرک سوالات کا جواب بھی دیں گے۔**  
**عنوانات:** (۱) اللہ تعالیٰ کی صفت اللہ کی جامعیت اور اس کے تقاضے (قرآن مجید میں لفظ اللہ تعالیٰ کی کس کس صفت کے لیے استعمال ہوا ہے)۔ (۲) توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات (احادیث اور تاریخ کے حوالہ جات سے)۔ (۳) توحید کی اہمیت و فرضیت (ہندو، سکھ، عیسائیت اور بدھ مت کی نظر میں)۔ (۴) شرک کے اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نقصانات (قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کے مستند حوالوں سے)۔ (۵) دور نبوت میں اہل کد، یہودی اور عیسائی شرک کی کون کون سی اقسام میں مبتلا تھے۔ ہر مقرر کو پندرہ منٹ وقت دیا جائے گا۔  
**تقریری مقابلہ میں حصہ لینے کے مجاز:** (۱) صوبہ سرحد، آزاد کشمیر، راولپنڈی، ڈویژن اور اسلام آباد کے مدارس اور کالج۔ (۲) شریک ہونے والے طلباء اور ادارہ کے ناظم کی تصدیق ضرور لائیں۔ (۳) شرکت کرنے والے حضرات ایک ہفتہ پہلے تحریراً مطلع فرمائیں۔ یاد رہے تمام مسابک کے طلبہ شرکت کر سکتے ہیں۔ البتہ شرائط کا خیال نہ رکھنے والے سے معذرت ہوگی۔  
**تحریری مقابلہ اور اس کی تاریخ:** اس میں علاقہ کی کوئی قید نہ ہے۔ مندرجہ بالا مقابلہ جات میں سے کسی عنوان پر مقالہ فل سائز کاغذ ۳۰ صفحات پر کمپوز شدہ مکمل حوالہ جات کے ساتھ ۲۵ جنوری تک ہیڈ آفس پہنچانا چاہیے۔ انعامات تقریری مقابلہ کے مطابق ہوں گے۔

دیگر مقابلے اور مذاکرے: گوجرانوالہ، مارچ، لاہور، اپریل، ملتان، ممبئی، ملتان، جون، فیصل آباد، جولائی، کراچی، اگست، تفصیلات پروگرام کے مطابق دی جائیں گی۔

انعامات کے ساتھ کتب: اول انعام: 1500، دوم: 1200، سوم: 900۔ (الداعی: میاں محمد نبیل، کونیٹرک و دعوت توحید پاکستان)

رابطہ: (مولانا) کا شیف منظور ایم۔ اے 0333-4641685 ہیڈ آفس جامعہ ابو ہریرہ کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور 42-5417233 0333-4566379

سردی اور دھند کے موسم میں حرارت ایمانی کا سماں

## قرآن و سنت سٹڈی کورسز

- ◎ قواعد تجوید کے ساتھ ناظرہ قرآن مجید کی کلاسز
  - ◎ ترجمہ و تفسیر کی خصوصی کلاسز
  - ◎ عربی گرامر کے ذریعے براہ راست قرآن اور حدیث فہمی کی کلاسز
- آغاز کورس: جمعہ 9 جنوری 2009ء

قرآن ہائوس 9/2 جیل روڈ (فرسٹ فلور سائل سنٹر) گلبرگ 5 لاہور	دارالسلام 36 لوئر مال، سیکٹر ٹریٹ شاپ، لاہور	الفیصل ٹائون (جوڈا پل) 74-ڈی بلاک، جلال سٹریٹ نمبر 2، بہار شاہ روڈ لاہور کینٹ
مغل پورہ سوسائٹی پبلک سکول لاہور	ابرار بزنس سنٹر 46 لوئر گراؤنڈ فلور 25 مین وحدت روڈ لاہور	ماڈل ٹائون موڈ (فیروز پور روڈ) این، کے فیکٹ کالج L/14 گلبرگ III لاہور

زیر اہتمام: دار الفلاح پاکستان و پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

ہیڈ آفس: قرآن ہاؤس 9/2 جیل روڈ (سائل سنٹر فرسٹ فلور) گلبرگ 5 لاہور 0344-4995909، 5871975، 042-8595655

## کلام اللہ کے فضائل و محامد ..... علامہ اقبالؒ کی نظر میں

ملتے را رفت چوں آئیں ز دست قوم نے جب سے اپنا دستورِ زندگی چھوڑ دیا  
 ہستی مسلم ز آئین است و بس مسلمان کی زندگی صرف آئین الہی سے قائم ہے  
 مثل خاک اجزائے او از ہم شکست اس کے اجزائے زندگی غبار کی طرح بکھر گئے  
 باطن دین نبیؐ ایں است و بس اور دین نبیؐ (اسلام) کا باطن اسی سے روشن ہے  
 گل ز آئیں بستہ شد گلستہ شد جب پتیاں ایک ضابطے سے باندھی گئیں تو پھول ہو گئیں  
 نغمہ از ضبط صدا پیدا ستے صرف ضبطِ آواز ہی سے نغمہ پیدا ہوتا ہے  
 در گلوئے ما نفس موجِ ہوا ست ہمارے گلے میں سانس ایک موجِ ہوا ہے  
 چوں ہوا پابند نے گردد نواست جب یہی ہوا بنسری کی پابند ہو تو آواز بن جاتی ہے  
 زیر گردوں سرِ تمکین تو چیست؟ اور زیر آسمان تیری عزت و آبرو کا راز کیا ہے؟